



# زنہ گگی

فاطمہ سیال

# زندگی



از قلم فاطمہ سیال

All Rights Reserved

**Copyright:** Fatima Sial (Author)

**Published by:** Safar-e-Adab

**Published On:** safareadab.com

---

To get published with us, contact us via email or website:

[safareadab.com](http://safareadab.com)

[safareadab@gmail.com](mailto:safareadab@gmail.com)

[khanumaira@safareadab.com](mailto:khanumaira@safareadab.com)

[adab@safareadab.com](mailto:adab@safareadab.com)

---

**Note:** We don't charge anything to publish online. If anyone charges any kind of fee in order to publish your write-ups in the name of Safar-e-Adab, please don't try to go ahead with them and immediately report them using the contact us button on our website. Thank you

## ضروری بات

زندگی کے تمام جملہ حقوق لکھاری "فاطمہ سیال" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹفارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہوگی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کارروائی کی جاسکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔





زندگی ہے جی لو ورنہ گزر جائے گی

ملک پاکستان:

شہر لاہور:

لاہور میں آج رات بارش ہوئی تھی۔ ہر طرف موسم خوشگوار تھا۔ ہر طرف ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہو آس چل رہی تھی۔ فجر کی اذان ہو چکی تھی۔ مشرک سے سورج کی کرنیں دیکھائی دینا شروع ہو گئی تھی۔ ایسے میں آفندی ہاؤس نیم اندھیرے میں بھی اپنے وقار سے کھڑا تھا۔ اگر آفندی ہاؤس کی کھلی کھڑکی سے اندر جھانکا جائے تو یہ ایک عالیشان کمرہ تھا۔ جس کی نفاست دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اس کمرے کی مالکن بہت صفائی پسند ہے۔ وہ جائے نماز پر بیٹھی دعا مانگ رہی تھی۔ دعا سے فارغ ہو کر اس نے جائے نماز فولڈ کر کے صوفے پر رکھی۔ پھر اپنے سر سے دو بٹا اتارہ تو اس کے کالے لمبے گھنے بال آبشار کی طرح اس کی کمر پر پھیل گئے۔ بھوری بادامی آنکھیں، تیکھاناک، گلابی ہونٹ، گوری رنگت، کالے لمبے بال، بلہ شعبہ وہ بہت خوبصورت تھی۔ اس کا نام زارا آفندی تھا۔ وہ 27 سال کی تھی اور پیشے سے کارڈیالوجسٹ ڈاکٹر تھی۔ وہ حجاب کرتی تھی۔ اور کسی نامحر بنے آج تک اس کے بال نہیں دیکھے تھے۔ اب وہ اپنے فون پر سکراننگ کر رہی تھی۔

ملک امریکا:  
شہر نیویارک:

نیویارک کے شہر میں رات کے 2 بج رہے تھے۔ اس وقت وہاں کی ایک آباد بلڈنگ کے ایک اپارٹمنٹ میں دو لڑکے خاموشی سے داخل ہو رہے تھے۔ جیسے ہی وہ دروازہ بند کر کے اندر داخل ہوئے تو ایک دم سے سارا لاؤنچ روشن ہو گیا۔ مسز سارہ احمد نے لایٹ اون کر دی تھی۔ اب وہ ہاتھ باندھ کر سامنے سونے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گئیں تھیں۔ اب وہ اپنے دو جوان بیٹوں کو دیکھ رہی تھیں۔ جو رات کے دو بجے گھر آ رہے تھے۔

"یہ کون سا وقت ہے گھرانے کا" مسز سارہ احمد نے کہا۔

"مئی تھوڑا سا ہی تو لیٹ ہونے ہیں میں اور ولی" عمر نے کہا۔

اس کی بات سن کر مسز سارا احمد کہ ذہن میں خیال آیا کہ یہ وہی لڑکا ہے جسے انہوں نے جنم نہیں دیا لیکن وہ کتنے حق سے انہیں مئی کہتا ہے انہوں نے ہمیشہ عمر کو اپنا بیٹا سمجھا اور ولی کی طرح اس سے محبت کی عمران کا سگا بیٹا نہ سہی لیکن وہ ان کو بہت پیارا تھا۔ وقت اور حالات نے عمر کو مسز سارہ احمد اور ولی کے ساتھ رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"پچھلے ایک ہفتے سے جب سے تم دونوں نے اپنے ہسپتال میں ٹرینیشن لیٹر دیا ہے تب سے تم دونوں کی یہی روٹین ہے ایسا کب تک چلے گا" مسز سارا احمد نے کہا۔

"مئی بس دو دن اور اس کے بعد پکا جلدی گھرائیں گے" ولی نے کہا۔

ولی ایک دراز قد اور خوبصورت نوجوان تھا۔ جس کا گوار رنگ تھا اور اس کے بھورے اور گھنگھڑالے بال ہر وقت اس کے ماتھے پر بکھرے رہتے تھے۔ اور اس کی بھوری آنکھیں اسے مزید خوبصورت بناتی تھیں۔ وہ 29 سال کا تھا اور پیشے سے نیورولوجسٹ تھا۔

مسز سارا احمد کے دو سگے بیٹے تھے ایک شادی شدہ تھا اور دوسرے شہر میں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ آباد تھا اور ولی ان کا سب سے پیارا بیٹا اپنی والدہ کے ساتھ رہتا تھا ولی سے مسز سارا کو بہت محبت تھی۔ ولی نے بہت غم جھیلے تھے۔

"تین دن بعد ہماری پاکستان کی فلائٹ ہے اور تم دونوں مجھے یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ باقی کے دو دن بھی تم دونوں کی یہی روٹین رہے گی۔ پھر پیننگ کب کرو گے" مسز سارا احمد نے خفگی سے پوچھا۔ ولی ان کی کسی بات کا اثر نالیتے ہوئے کچن کی طرف چلا گیا اور فریج سے پانی کی بوتل نکال کر گلاس میں پانی ڈال نیں لگا۔

جب کہ عمر مسز سارا کے پاس جا کر سوئے پر بیٹھ گیا اور ان کے گرد بازو حائل کر کے پیار سے ان کے کندھے پر سر رکھ کر کہنے لگا "ممی میں آپ کو کیسے بتاؤں کہ ہم ولی کی گرل فرینڈ کو پٹا رہے تھے" اس کی یہ بات سن کر پانی پیتے ہوئے ولی کو کھانسی لگ گئی اور کھانسی کھانسی سے ولی کا منہ لال ہو گیا۔ مسز احمد کو خوشگوار حیرت نے گھیر لیا۔

جبکہ عمر کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا تھا۔ "یہ بکو اس کر رہا ہے ایسا کچھ نہیں ہے"۔ ولی غصہ سے کہہ کر اپنے کمرے میں چلا گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ ایک دم سے پورے اپارٹمنٹ میں خاموشی چھا گئی۔ عمر بھی خدا حافظ کہہ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ مسز احمد بھی آنکھوں میں آنسوؤں لیے کمرے میں چلی گئی۔

ملک پاکستان:

شہر لاہور:

صبح کے 8 بجے آفندی ہاؤس کے طویل ڈائنگ ٹیبل پر علی آفندی ناشتہ کر رہے تھے۔ جب انہیں سکینہ بی سے خبر ملی کہ زارا آج پھر بغیر ناشتے کے ہسپتال جا چکی ہے۔ وہ یہ بات سن کر خاموش سے ناشتہ کرنے لگے۔

سٹی ہسپتال میں معمول کی گہما گہمی چل رہی تھی۔ ایسے میں ایک لڑکی ہسپتال کے سیکنڈ فلور کے کاریڈور میں ڈاکٹر کوٹ پہنے بھاگتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ اس نے بھاگتے ہوئے ایک کمرے کا دروازہ کھولا جس کے باہر ڈاکٹر زارا آفندی کے نام کی نیم پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ وہ جو کمرے کی سربراہی کر سی پر بیٹھی کسی پیشینٹ کی فاعل کا مطالعہ کر رہی تھی ایک مصروف نگاہ دروازے پر ڈالی اور واپس اپنے کام میں لگ گئی۔ کیونکہ وہاں معمول کے مطابق ڈاکٹر حیا آفندی موجود تھی۔

حیا آفندی زارا کی چچا زاد بہن تھی۔ حیا جس کی عمر 25 سال تھی۔ اس نے ایم۔بی۔بی۔ایس کیا تھا۔ اور حال ہی میں اپنی انٹرنشپ مکمل کی تھی۔ وہ ایک خوبصورت اور سب سے پیار کرنے والی لڑکی تھی۔ لیکن اتنی ہی منہ پھٹ اور شرارتی بھی تھی۔

وہ اندر آتے ہی شروع ہو گئی "آپی آپ سوچ بھی نہیں سکتی کہ میں کیا خبر لائے ہوں۔ آپ کو پتہ ہے کہ اگلے ہفتے سے ہمارے ہسپتال میں دو ڈاکٹر جاب کرنا شروع کرے گے۔ ایک نیورولوجسٹ اور ایک ایم۔بی۔بی۔ایس ڈاکٹر۔ اور وہ دونوں امریکا سے آرہے ہیں۔ سب سے زیادہ پریشانی کی بات یہ ہے کہ...."

"اچھا بس بس سانس تو لے لو۔ چلو بیٹھو شہناش پانی پیو" زارا نے حیا کی طوطے کی طرح چلتی ہوئی زبان کو بریک لگوائی۔ اور اس کو گلاس پانی سے بھر کر دیا۔ جو وہ ایک سانس میں پی گئی۔

"اب بتاؤں اگر کوئی ڈاکٹر ہسپتال میں جاب کرنے آرہے ہیں تو تمہیں کیا مسئلہ ہے"۔ زارا نے پوچھا۔

"ارے وہی تو میں بتا رہی تھی کہ ان میں سے جو لیم-بی-بی-ایس ڈاکٹر ہے اسے مجھے اسسٹ کرنا پڑے گا۔" حیانے اسی سپیڈ سے جواب دیا۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔ لیکن اس میں پریشانی والی کیا بات ہے؟" زارا کو ابھی بھی اس لڑکی کی منطق سمجھ نہیں آئی تھی۔

"یار سمجھنا پہلے ایک سال اس کھڑوس ڈاکٹر کو برداشت کیا اب یہ امریکہ سے آنے والا ڈاکٹر تو پتہ نہیں اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہو گا" حیا اس لگ رہی تھی۔

"ارے تم ایسے ہی پریشان نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ڈاکٹر اچھا ہو" زارا نے اسے تسلی دی۔

"ہوں پتہ نہیں اچھا میں چلتی ہوں میری ڈیوٹی کا ٹائم ہو رہا ہے"۔ حیانے منہ لٹکاتے ہوئے کہا۔ اس وقت وہ زارا کو بہت کیوٹ لگی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے میں بھی اپنا کام کر لوں"۔ زارا نے کہا۔ حیا اٹھ کے کمرے سے چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد زارا کے منہ پر ایک مسکراہٹ تھی جو صرف حیا کے آنے پر ہی اتی تھی۔ زارا ایک بہت باوقار اور سنجیدہ مزاج لڑکی تھی۔ جو صرف اپنے کام سے کام رکھتی تھی۔ اس کی شخصیت بہت باوقار تھی۔ اس وقت بھی اس نے ہلکے گلابی رنگ کے پلازوں اور کرتے کے اوپر سکن کلر کا حجاب کیا ہوا

تھا، دائیں ہاتھ میں خوبصورت سی ایک کالے رنگ کی گھڑی اور بائیں ہاتھ میں ایک باریک سا ڈائمنڈ کا

بریسلیٹ موجود تھا۔ اور پیروں میں کالے رنگ کی بلاک ہیلز موجود تھی۔ وہ اس سادگی میں بھی

خوبصورت لگتی تھی۔



## پانچ دن بعد.....

شہر لاہور:

وقت شام کے 04:10:

زارا ہسپتال سے گھر واپس جا رہی تھی۔ وہ اس وقت اپنی گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی۔ اس نے اس وقت کالے رنگ کا پلازدا اور کراپہن رکھا تھا۔ اس کے اوپر ہلکے گلابی رنگ کا حجاب کیا ہوا تھا۔ اور میکپ کے نام پر صرف ٹینٹ لگایا تھا، اس کی پلکیں اتنی لمبی تھیں کہ ہر وقت ایسا لگتا کہ مسکارا لگایا ہے۔

جب راستے میں اس نے گاڑی ایک شاپنگ مال کے آگے روکی۔ اسے حیا کا آرڈر سیو کرنا تھا۔ جس کے لیے اس نے بہت منت کی تھی۔ وہ ایک کانچ کا نازک سا چھوٹا سا ہاؤس تھا جس میں سے لائٹ نکلتی تھی۔ جب وہ شاپ سے باہر نکل رہی تھی تو ایک دم سے سامنے سے آتے ہوئے انسان سے اس کی ٹکر ہوئی۔ اس کا کانچ کا ہاؤس فلور پر گر کر ٹکرے ٹکرے ہو گیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"سو سوری میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا" ولی نے فوراً معذرت کی۔

لیکن سامنے بھی زارا آفندی تھی۔

"اندھے ہو کیا دیکھ کر نہیں چل سکتے" زارا غصے سے چلائی تھی۔

شاپ پر موجود سب لوگ، گاہک اور ورکرز سمیت سب لوگ تماشا دیکھنے لگ گئے۔

"میں سوری بول تو رہا ہوں، اتنا ڈرامہ کیوں کر رہی ہیں آپ"۔ ولی پہلے ہی عمر کی فرمائش پر یہاں آیا تھا اور

اب پھس گیا تھا۔

"میں ڈرامہ کر رہی ہوں میں؟ پہلے تم نے میرا نقصان کیا۔ اب مجھے بول رہے ہو کہ میں ڈرامہ کر رہی ہوں۔" زارا کو تو جیسے اس کے الفاظ بہت غصہ دلا گئے تھے۔

"او۔ کے میں سوری کرتا ہوں۔" ولی نے لڑائی ختم کرنے کی کوشش کی۔

"سوری مائے فٹ۔" زارا نے بھوری بادامی آنکھوں میں غصہ لیے کہا۔

اتنے میں شاپ کے منیجر نے لڑائی ختم کروانے کے لیے کہا۔ "میڈم آپ فکر نہ کریں ہمارے پاس اس طرح کا ایک اور ہاؤس موجود ہے"

"اور اس کی پیمینٹ کون کرے گا" زارا نے غصہ سے پوچھا۔

"میں پیمینٹ کر دیتا ہوں" ولی نے جان چھڑانے کے لیے کہا۔

تھوڑی ہی دیر میں ولی نے پیمینٹ کی اور وہاں سے نکل گیا۔ زارا بھی ہاؤس پیک کروا کر نکل گئی۔ اسے حیا کے گھر ہاؤس ڈراپ کرنے جانا تھا۔

زارا کو آج زیادہ غصہ ہی اس بات کا تھا کہ اسے اس گھر جانا تھا جہاں اس کا سامنہ ان دو لوگوں سے ہو سکتا تھا جن سے اسے سخت نفرت تھی۔

زارا جیسے ہی حمید آفندی کے گھر کے باہر پہنچی تو گاڑی نے اس دیکھتے ہی سلام کیا اور بیرونی دروازہ کھول دیا۔ زارا نے اس کے سلام کا جواب سر کے خم سے دیا اور گاڑی حمید آفندی کے وسیع و عریض گھر کے اندر لے گئی۔ جب زارا نے گاڑی سے نکل کر سر اٹھا کر اس عمارت کو دیکھا تو ماضی کی بہت سی باتیں اس کے ذہن میں آئیں۔

"باہا باہا" وہ ایک زہر خند قہقہا تھا۔

"اپنی شکل دیکھو زرا، کتنی شکست ہے اس پر۔ میں بچپن سے یہیں دیکھنا چاہتی تھی" وہ ایک شیطانی لہجہ تھا۔

زارا نے اپنے ذہن کو جھٹکا اور خد کو ماضی کی تکلیف دہ یادوں سے نکالا۔ زارا جب حمید آفندی کے گھر میں داخل ہوئی تو ملازمہ سے اسے اطلاع ملی کہ حیا گھر پر نہیں ہے۔

زارا نے کانچ کا نازک ہاؤس ملازمہ کو دینے کے بجائے اسے خد حیا کے کمرے میں رکھنے چلی گئی۔ زارا نے وہ نازک سا ہاؤس حیا کے سائیڈ ٹیبل پر احتیاط سے رکھا اور جیسے ہی جانے کے لیے پلٹی وہ سامنے کھڑی تھی۔ دروازے کے عین وسط میں ہاتھ باندھے۔ ماہ نور آفندی زارا آفندی کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت مختلف تھیں۔

ماہ نور آفندی جس کی عمر 28 سال تھی۔ اس نے اپنے بال بھورے ڈائے کروائے ہوئے تھے۔ جن کا اسل رنگ کالا تھا۔ اس ک ہی آنکھیں سیاہ تھیں۔ رنگ گورا اور اس کے نین نکش تیکھے تھے۔

اس نے اس وقت سفید ڈیزائنز کرتا اور اس کے ساتھ کالی ٹائٹس پہن رکھی تھی۔ پیروں میں پینسل ہیلس تھی۔ اور چہرے پر لائٹ میکپ۔

اس کے چہرے پر اس وقت تنزیہ مسکراہٹ تھیں۔ ایسی مسکراہٹ جو زارا کو ماضی یاد کروا رہی تھی۔ یہی تو تھی جس نے اسے برباد کیا تھا۔

"ویسے بری ہمت ہے تمہارے اندر کے آج بھی اس طرح سراٹھا کر میرے سامنے کھڑی ہو" ماہ نور نے تنزیہ لہجے میں کہا۔

"شکر ہے میرے رب کا کہ اس نے کبھی میرا سرمہ جیسے لوگوں کے سامنے جھکنے نہیں دیا" زارا نے عتماد سے جواب دیا۔

"ہا ہا ہا" ماہ نور کا قہقہا بلند ہوا۔

"دیکھو کہ کون رہا ہے" ماہ نور نے کہا اور ایک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے زارا کی طرف قدم برہائے

"لگتا ہے زارا بی بی تم بھول گئی ہو کہ چار سال پہلے میں نے تمہارے ساتھ کیا کیا تھا۔ کس طرح تمہیں برباد کیا تھا"

"کچھ نہیں بھولی ہوں میں۔ سب یاد ہے" اب کہ زارا نے ماہ نور کی طرف قدم برہائے۔  
 "یہ بھی کہ کس طرح میرے رب نے مجھے ایک گھٹیا انسان سے بچایا اور اسے تمہارے حصہ میں ڈال دیا"  
 زارا کی گردن اور بلند ہوئی۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے شوہر کو گھٹیا کہنے کی" ماہ نور نے زارا کو شہادت کی انگلی دیکھائی۔  
 "لگتا ہے تم بھول گئی ہو کہ تمہاری ماں نے ساری زندگی تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا اور تمہارے باپ نے بھی تمہیں تمہاری ماں کے مرنے کے بعد قبول کیا" ماہ نور نے زہر اگلا۔

زارا کے دل میں درد شروع ہو گیا تھا۔ وہ فوراً دروازے کی طرف بھری جب پیچھے سے ماہ نور کی آواز آئی۔  
 "بھاگو بھاگو تمہارا ماضی اس قابل نہیں ہے کہ اسے دہرایا جائے" ماہ نور کی تنزیہ آواز آئی۔  
 زارا نے بھاگنے کے انداز میں حمید آفندی کے گھر سے نکلی اور گاڑی میں بیٹھی اور گاڑی سٹارٹ کی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

گاڑی ٹریفک سگنل پر کھڑی تھی۔ زارا کے ذہن میں ماضی گھوم رہا تھا۔

سترہ سال پہلے:

ستارہ سال پہلے آفندی ہاؤس میں بہت لوگ بستے تھے۔ عدیل آفندی کے دو بیٹے تھے۔ علی آفندی اور حمید آفندی۔ عدیل آفندی نے علی کی اپنی بہن کی بیٹی لاءیبہ کے ساتھ شادی کروائی تھی جو کہ لومیرج تھی۔

عدیل آفدین نے اپنے ایک دوست کی بیٹی نادیہ حسن کے ساتھ علی افندی کی شادی کروائی تھی جو کہ ارنج میرج تھی اور کامیاب نہ ہو سکی تھی۔

زارا جب پانچ سال کی تھی تب علی افندی وفات پا گئے تھے ان کی زوجہ کی وفات کئی برس پہلے ہی ہو گئی تھی۔

زارا 10 سال کی تھی جب علی افندی اور نادیہ حسن کی طلاق ہو گئی۔ طلاق کی وجہ نادیہ کا بزنس وومن ہونا تھا۔ نادیہ ایک خود گزر عورت تھی جسے صرف اپنی ذات سے مطلب تھا۔ زارا علی افندی اور نادیہ کی اکلوتی اولاد تھی لیکن دونوں ماں باپ کی لڑائی جھگڑوں میں زارا کو ماں باپ کا پیار نہ ملا۔

نادیہ ایک انا پرست عورت تھی۔ جو اپنی انا کی تسکین کے لیے زارا کو اپنے ساتھ لے گئی اور اپنے گھر میں رکھ لیا۔ وہ سارا دن گھر سے باہر گزارتی اور زارا گھر میں اکیلی ڈرتی رہتیں۔ علی افندی زارا سے محبت کرتے تھے اور اسے اپنے ساتھ بھی رکھنا چاہیے تھے لیکن وہ اسے ماں سے دور نہیں کرنا چاہیے تھے۔ وہ یہ بھول گئے تھے کہ نادیہ جیسی عورت کو اپنی اولاد سے بھی پیار نہیں۔

ماہ نور جس کی عمر 11 سال تھی اسے ہمیشہ سے ہی زارا سے نفرت تھی۔ وہ بچپن ہی سے زارا کے ذہین ہونے کی وجہ سے اس سے حسد کرتی تھی اور ہمیشہ اسے تنگ کرتی تھی۔ زارا اپنی ذہانت سے ہمیشہ ماہ نور سے آگے رہتی جو بات ماہ نور سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔

جب زارا کے ماں باپ کی علیحدگی ہوئی تو ماہ نور نے زارا کو سکول میں بلی کرنا شروع کر دیا۔ زارا بہت ڈری سہمی رہنے لگی۔ گھر کے اور سکول کے ماحول سے تنگ آ کر ہاسٹل جوائن کر لیا۔ نادیہ کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑا۔

زارا نے ہاسٹل سے ہی انٹر کیا۔ اور ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کے لیے بھی ہاسٹل جوائن کر لیا۔ زارا نے میٹرک میں ہی حجاب شروع کر دیا تھا۔ وہ عام لڑکیوں جیسی نہیں تھی۔ بہت ذہین اور اسلامی تھی۔



لیکن قسمت نے اس کا بہت بڑا امتحان لیا۔

حال:

اچانک تیز ہارن کی آواز آئی تو زارا حال میں واپس آئی۔

ہر طرف رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ شہر لاہور میں آج رات موسم کافی خوشگوار تھا۔ نومبر کی بارش کچھ دنوں میں شروع ہونے والی تھی۔

احمد ہاؤس میں اس وقت ڈائمنگ ٹیبل پر سب بیٹھے تھے۔ مسسز سارہ احمد سربراہی کرسی پر بیٹھی تھی۔ جب کہ ان کے بائیں جانب عمر اور دائیں جانب ولی بیٹھا تھا۔

"ولی میں نے تمہیں شاپ کے بلایا تھا کام سے اور تم وہاں سے لڑ کر آگئے۔" عمر نے پانی کا گلاس منہ سے لگاتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کس نے بتایا" ولی نے کھیرا منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"یہ کون سی لڑائی کی بات ہو رہی ہے" مسسز احمد نے بھی گفتگو میں اپنا حصہ ڈالا۔

"یار ممی آپ کو کیا بتاؤں۔ آپ کے لاڈلے کو پاکستان آئے دو دن ہوئے ہیں اور آج ہی مارکیٹ میں ایک لڑکی سے لڑائی کر آیا ہے۔ اور ولی صاحب مجھے کیا پورے مال میں آپ کی لڑائی کے قسے چل رہے ہیں" عمر نے ایک ساتھ دونوں کو جواب دیں دیا۔

"ولی یہ کیا واقع ہے" مسسز سارہ نے کھانا کھاتے ہوئے ولی سے پوچھا۔  
 "کچھ نہیں مئی ایک غصہ سے پاگل لڑکی سے مارکیٹ میں لڑائی ہو گئی تھی۔ توبہ وہ لڑکی اتنی بد تمیز تھی کہ  
 حد نہیں۔ مئی پاکستان میں لڑکیاں اتنی بد تمیز ہوتیں ہیں؟" ولی نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے آج کا واقع  
 بتایا۔

"ہا ہا ہا۔ مجھے تو سوچ کر ہی ہنسی آرہی ہے۔ آپ کو پتہ ہے مئی مجھے شاپ کیپر نے بتایا کہ ولی اسے سوری کری  
 جارہا تھا اور وہ اسے باتیں سنائیں جارہی تھی" عمر نے ہنستے ہوئے بتایا۔  
 "اب تو مجھے بھی ہنسی آرہی ہے۔ واقع ولی ایسا ہوا تھا"۔ مسز احمد نے ہنستے ہوئے کہا۔  
 "پتہ نہیں مئی یہ ایسے ہی بول رہا ہے" ولی نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔  
 "ہا ہا ہا۔ ولی نے ایک لڑکی کو سوری بولا" عمر کو ابھی تک ہنسی آرہی تھی۔  
 عمر ایسا ہی تھا۔ ہر بات مذاق میں لینے والا۔ وہ ایک خوش مزاج لڑکا تھا۔ اور اب ولی کو پتہ تھا کہ عمر اس بات  
 کی جان نہیں چھوڑنے والا۔  
 "اچھا مئی میں سونے جارہا ہوں۔ اور تمہیں بھی اگر ہنسنے سے فرست ملے تو ٹائم سے سو جاؤں صبح ہمارا جاب  
 کا پہلا دن ہے" ولی یہ کہہ کر مسز احمد کے سر کو چوما اور اپنے روم میں چلا گیا۔  
 اسے پیچھے سے ابھی بھی عمر کے ہنسنے کی آواز آرہی تھی۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ آفندی ہاؤس میں اس وقت مکمل خاموشی تھی۔ زار اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی  
 آج ہونے والے واقعات کا سوچ رہی تھی۔ اچانک اس کے دروازے پر دستک ہوئی اور علی آفندی کمرے  
 میں داخل ہوئے۔

"میں نے اپنی بیٹی کو ڈسٹرب تو نہیں کیا" علی آفندی نے محبت سے پوچھا۔

وہ ایسے ہی زار اسے شفقت سے بات کرتے تھے۔ انہیں زار کے بچپن میں ہونے والی اپنی غلطیوں کا بہت دکھ تھا۔

"نہیں بابا۔ بالکل نہیں میں تو فری تھی" زار نے سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اور کیا چل رہا تھا" علی آفندی نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ خاص نہیں بابا بس ویسے ہی وہی روٹین" زار نے کہا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ میں اور میری بیٹی اس ویکنڈ پر باہر کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں اکٹھے کھانا کھائے" علی آفندی نے شفقت سے پوچھا۔

"میں تو ریڈی ہو۔ اچھا یاد آیا بابا بدھ کو آپ کا اپائنٹمنٹ ہے ہاسپٹل میں آپ ٹائم سے آئیں گا۔" زار نے ہامی بھری اور انہیں یاد کروایا۔

"اچھا بھی ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحبہ۔ اب میں سونے جا رہا ہوں" علی آفندی یہ کہتے ہی اٹھ کر زار کے سر پر پیار کر کے چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد زار ابھی سونے کے لیے لیٹ گئی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

آج کی صبح کافی خوشگوار تھی۔ ایسے میں سٹی ہسپتال میں معمول سے ہٹ کر ڈاکٹر حامد سارے سٹاف کا نئے آنے والے دو ڈاکٹر سے تعارف کروا رہے تھے۔

حیار سپشن پر فائل پر سائن کر رہی تھی جب پیچھے سے ڈاکٹر حامد کی آواز آئی۔

"ڈاکٹر حیا یہ ہے ہمارے نیو ڈاکٹر۔ ڈاکٹر ولی احمد اور ڈاکٹر عمر عبید۔ آپ نے ڈاکٹر عمر کو آج سے اسسٹ کرنا ہے" ڈاکٹر حامد نے باری باری دونوں کی طرف اشارہ کر کے تعارف کروایا۔

"اسلام علیکم۔ کیسا لگا آپ کو ہمارا ہسپتال؟" حیانے اخلاق دکھایا۔ لیکن ساتھ ہی عمر کا سر سے لے کر پاؤں تک جائزہ لیا۔

عمر دراز قد اور خوبصورت نوجوان تھا۔ اس کے بال ہمیشہ بلوڈرائیر کی مدد سے پیچھے رہتے۔ اس وقت عمر نے بلو جینز کے اوپر بلیک کالر شرٹ پہن ہوئی تھی۔ اس وقت وہ کافی ہینڈ سم لگ رہا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ حیا کو وہ مشکوک لگ رہا تھا۔

"ماشاء اللہ کافی اچھا ہے" ولی نے جواب دیا۔

"تو ڈاکٹر حیا آپ ڈاکٹر عمر کو ان کا روم دیکھا دیں" ڈاکٹر حامد نے حیا سے کہا۔

"جی چلے" حیانے عمر کو اپنے پیچھے آنے کا کہا۔

"آئیے میں آپ کو آپ کا روم دیکھاؤں" ڈاکٹر حامد نے ولی سے کہا۔

"پھر آپ کے ہسپتال کے سارے ڈاکٹر مکمل ہو گئے" ولی نے پوچھا۔

"ابھی ایک ڈاکٹر رہتی ہے۔ ہمارے ہسپتال کی سب سے قابل کارڈیالوجسٹ ڈاکٹر زارا آفندی۔۔ وہ بہت

ذہین اور بہت بارعب شخصیت کی مالک ہیں" ڈاکٹر حامد نے تعریفیں کی۔

"جس طرح آپ ان کی تعریف کر رہے ہیں اب تو ان سے ملنا پرے گا" ولی متاثر نظر آ رہا تھا۔

زارا ابھی ایمر جنسی کے ایک پیشنٹ کو ٹریٹ کر کے اپنے روم کی طرف جا رہی تھی۔ ولی ڈاکٹر حامد کو ڈھونڈ

رہا تھا۔ جب اچانک ان دونوں کی ٹکڑ ہوئی۔

اور زارا کا سٹیٹھو سکوپ اور فون زمین پر گر گیا۔

"اندھے ہو گیا" زارا نے غصہ سے کہ کر زمین سے جھک کر فون اٹھایا۔

ولی نے فوراً زمین سے سٹیٹھو سکوپ اٹھایا۔

جیسے ہی دونوں سیدھے ہوئے تو ان دونوں کی نظریں ملی۔ دونوں کو شدید حیرانی ہوئی۔

"تم۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو" زارا نے غصہ اور حیرانی سے پوچھا۔

"یہ تو مجھے آپ سے پوچھنا چاہ۔۔۔" ولی کی زبان رکی جب اس نے زارا کے وائٹ کوٹ پر اس کا نام دیکھا۔

"ڈاکٹر زارا آفندی" ولی شاک کے عالم میں بولا۔ اس نام سے اسے کچھ بہت تکلیف دہ یاد آیا تھا۔ لیکن اس

نے جھٹلادیا۔

"جی ہاں۔ میں اس ہاسپٹل کی سینیئر کارڈیالوجسٹ ہوں۔ پر تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ ایک منٹ کیا تم میرا

پیچھا کر رہے ہو" زارا مشکوک ہوئی۔

"او۔ ہیلو میرے پاس دنیا میں بہت کام ہیں تمہارا پیچھا کرنے کے علاوہ۔ پھر سنو میں اس ہاسپٹل کا

نیورولوجسٹ ہوں۔ ڈاکٹر ولی احمد۔" ولی نے فخر سے جواب دیا۔

اب کہ حیران ہونے کی باری زارا کی تھی۔

"کیا۔ میں اس ہاسپٹل میں پیچھے چار سال سے ہوں۔ بیوقوف کسی اور کو بناؤں" زارا نے جواز پیش کیا۔

جتنے میں ولی کچھ کہتا اتنے میں ڈاکٹر حامد وہاں پہنچ گئے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"ارے آپ دونوں یہاں ہیں۔ آپ لوگوں کا انٹروڈکشن ہوا کہ میں کرواؤں" ڈاکٹر حامد نے پوچھا۔

"آپ ہی کروادے کیونکہ کچھ لوگوں کو لگتا ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں" اس کی اس بات پر زارا نے

اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"کیوں نہیں۔ ڈاکٹر ولی جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا تھا یہ ہے ہمارے ہاسپٹل کی سب سے قابل اور سینیئر

کارڈیالوجسٹ ڈاکٹر زارا آفندی۔ اور ڈاکٹر زارا یہ ہے نیورولوجسٹ ڈاکٹر ولی احمد جو امریکہ سے آئے ہیں

اور آج سے انہوں نے اور ان کے ساتھ ڈاکٹر عمر نے ہمیں جو اُن کیا ہے" ڈاکٹر حامد نے طویل تعارف

کروایا۔



"میں چلتی ہوں مجھے پیشنٹ کو دیکھنا ہے" زارا کہ کر غصہ سے چلی گئی۔  
 جب کہ اس ک شکل ولی کو بہت لطف دے رہی تھی۔ اس نے بہت مشکل سے اپنی ہنسی کنٹرول کی۔  
 "ڈاکٹر ولی آپ کو مجھ سے کوئی کام تھا" ڈاکٹر حامد نے پوچھا۔  
 "ہاں جی۔ مجھے اپنے روم میں کچھ چینجرز چاہیے" ولی نے کہا۔  
 اب وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے جارہے تھے۔

وہ ہنس رہی تھی اور اس کی کھکھلاہٹ ماحول کو خوشگوار بنا رہی تھی۔  
 "ولی وہ دیکھو کاٹن کینڈی۔ مجھے وہ کھانی ہے" اس لڑکی نے کہا۔  
 "اچھا میں لاتا ہوں۔ روڈ پر بہت رش ہے تم میرا ویٹ کرو" ولی نے کہا اور روڈ کراس کر کے کاٹن کینڈی خریدنے لگا۔  
 جب اچانک اسے شور کی آواز آئی۔ کسی لڑکی کا روڈ پر آکسیڈنٹ ہوا تھا۔  
 ولی کے دل میں کوئی وہم آیا تھا۔ وہ کاٹن کینڈی لے کر وہاں بھاگا جہاں وہ اسے انتظار کا کہ کر آیا تھا۔  
 لیکن.....

وہ وہاں نہیں تھی۔  
 اسے لگا اسے سانس نہیں آرہا۔  
 وہ اندھا دھند بھیر کو چیرتے ہوئے آکسیڈنٹ کے سپاٹ پر پہنچا۔  
 اسے لگا اب وہ سانس نہیں لے سکے گا۔  
 وہ اس کے سامنے تھی۔

اس کے ہاتھ میں موجود کاٹن کینڈی زمین پر گری تھی۔

اس کے ساتھ جیسے ولی احمد کا دل بھی گر گیا تھا۔

وہ خون سے لت پت تھی۔

"زاراااااااااا" وہ چیخا تھا۔

وہ نیند میں چیختا ہوا اٹھ کے بیٹھا تھا۔

کمرے میں اندھیرا تھا صرف نائٹ بلب کی روشنی تھی۔ اسے سانس لینے میں مشکل ہو رہی تھی۔

ولی نے فوراً اٹھ کر پورے کمرے کی بتیا روشن کر دی۔ گھبراہٹ ابھی بھی کم نہیں ہو رہی تھی۔

اس نے پانی کا پورا گلاس پی لیا۔ اب وہ بیڈ پر بیٹھا۔ گہرے سانس لے رہا تھا۔

اسے یہ خواب اکسر آتے تھے۔ اور ڈسٹرب کر کے چلے جاتے تھے۔ پچھلے چار سال سے ایسا ہی ہو رہا تھا۔

آج کی رات اب جاگ کر گزرنی تھی۔

Safar-e-Adab

ایک مہینے بعد.....

BEING THE STRING OF YOUR KITE

دسمبر کے اس مہینے میں کافی ٹھنڈ بڑھ گئی تھی۔ آج صبح سے کافی سردی تھی۔ رات کو بارش بھی ہوئی تھی۔

اس ایک مہینے میں کافی کچھ تبدیل ہوا تھا۔ حیا جسے لگتا تھا کہ اس نئے ڈاکٹر سے اس کی نہیں بنے گی۔ اب

اس کی اور عمر کی کافی دوستی ہو گئی تھی۔

اور زارا جسے نئے آنے والے ڈاکٹر سے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اب اسے سب سے زیادہ مسئلہ تھا۔ روز اس کی

اور ولی کی لڑائی ہوتی۔ شروع میں تو وہ دونوں کافی اریٹھٹ ہوتے تھے۔ لیکن اب ان دونوں کو ایک

دوسرے کو تنگ کرنے میں بہت مزا آتا تھا۔

حقیقت تو یہ تھی کہ اب ان دونوں کا بھی ایک دوسرے سے لڑے بغیر گزارا نہیں تھا۔

سٹی ہاسپٹل میں معمول کی حل چل تھی ان ایسے میں حیا اور ولی کینیٹین میں بیٹھے لپچ کر رہے تھے۔  
جب ولی بھی اپنا لپچلے کر ان کے پاس آکر بیٹھ گیا۔  
"اور کیا باتیں ہو رہی ہیں" ولی نے جوش مزاجی سے پوچھا۔  
"کچھ خاص نہیں۔ عمر مجھے اپنے بچپن کے قصے سنارہے تھے" حیا نے بتایا۔  
"ویسے حیا یہ جو تمہاری کزن ہے۔ یہ ہر وقت غصے اور لڑائی کے لیے تیار رہتی ہے یا یہ ٹریمنٹ صرف خاص لوگوں کے لیے ہے" عمر نے شرارت سے پوچھا۔  
حیا اس کا سوال سمجھ کر ہنسنے لگ گئی۔  
جبکہ ولی ایسے بیٹھا تھا کہ جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔  
"ارے نہیں عمر میری آپی تو بہت سنجیدہ مزاج ہیں اور سب سے پیار کرنے والی۔ وہ تو اب پتہ نہیں کچھ لوگوں کو دیکھ کر غصہ میں آجاتی ہیں" حیا نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔  
"پیار کرنے والی۔ استغفر اللہ" ولی نے حیا کی نکل اتاری اور توبہ کی۔  
جس پر ان دونوں کا قہقہا بلند ہوا۔  
زارا جس نے دور سے صرف حیا اور عمر کو دیکھا تھا۔ ان کی طرف آگئی۔ اس بات سے بے خبر کے ولی بھی وہاں بیٹھا ہے۔  
"کس بات پر اتنا ہنسا جا رہا ہے۔ مجھے بھی بتاؤں" زارا کہہ کر کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ جب اس کی نظر ولی پر پڑی۔  
"کچھ خاص نہیں زارا ہم بس مذاق کر رہے تھے" عمر نے جواب دیا۔

"ارے ولی بھائی آپ کہا جا رہے ہیں۔ ابھی ہم چاروں عمر کے پیسوں سے چائے پیے گے" ولی جو اٹھ کر جانے لگا تھا اسے حیا نے روکا۔

اس ایک مہینے میں یہ تبدیلی بھی آئی تھی کہ ولی اور حیا میں کافی پیار پیدا ہو گیا تھا۔ اور ولی نے حیا کو اپنی بہن بنالیا تھا۔

"کیا اے میں کیو چائے پھیلاؤں گا" عمر حیا کی بات سے حیران ہوا تھا۔

"ہا تو ڈاکٹر عمر عبید آپ اپنے بھائی اور کو لگیس کو چائے نہیں پیلا سکتے" حیا اوپر سے پری۔

تب ہی عمر نے اندر جا کر چائے کا آرڈر دیا۔

"حیا تم کل فری ہو" زارا نے حیا سے پوچھا۔

"ہاں۔ ڈیوٹی ٹائم کے علاوہ۔ آپ کو کوئی کام ہے" حیا نے کہا۔

"ہاں کل اصل میں مجھے ضروری کام ہے اور کل بابا کا بھی اپائنٹمنٹ ہے۔ آگر کوئی ان کے ساتھ نہ گیا تو وہ مس کر دیں گے" زارا نے بتایا۔

آپ فکر نہ کریں آپ میں تایا ابو کو لے جاؤں گی" حیا نے حامی بھری۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"تھینک یو سوچ حیا" زارا نے سکون کا سانس لیا۔

"یہ لے آپ سب کی چائے۔ کیا یاد کرو گے کس فراخ دل سے پالا پر اہے" عمر نے سب کو چائے دی۔

"جی جی ہم آپ کا احسان کبھی نہیں بھولیں گے" زارا نے ہنس کر جواب دیا۔

"کچھ لوگ تھینک یو بھی بولتے ہیں اور ہنستے بھی ہیں مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا" ولی نے موقعہ دیکھتے ہی تانہ مارا۔

"کسی کو کوئی مسئلہ ہے" زارا نے فوراً جواب دیا۔

اس وقت حیا اور عمر سکون سے چائے پیتے ہوئے فری کا شو دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ کہ یہ روز کا معمول تھا۔

"اب ایک عجیب لڑکی ہنسے گی تو حیرانی تو ہوگی" ولی نے زارا کو بھرپور چرایا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے عجیب کہنے کی" زارا کو غصہ آچکا تھا۔  
 "جیسے تمہاری ہمت ہوتی ہے مجھے اندھا کہنے کی" ولی نے بھی جوابی کارروائی کی۔  
 "اندھے کو اندھا نہیں کہے گے تو کیا کہے گے" اب ولی کو غصہ آیا تھا۔  
 "میں اندھا نہیں ہوں لیکن تم عجیب ضرور ہو"  
 "تم اندھے ہو۔ اندھے"  
 "تم عجیب ہو"  
 "خبردار جواب مجھے عجیب کہا"  
 "عجیب۔ عجیب۔ عجیب"  
 "میں جارہی ہوں یہاں سے"  
 "مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے"  
 وہ دونوں وہاں سے چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد حیا اور عمر کا قبہ بلبند ہوا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

مسز سارہ اس وقت لاؤنچ میں بیٹھی کافی پی رہی تھی۔ اور ساتھ میں ملازمین کو ہدایت دیں رہیں تھیں۔

ماضی

زاہد احمد اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جاب کرنے امریکہ چلے گئے تھے۔ سارہ ایک فیشن ڈیزائنر تھی اور وہ بھی پاکستان سے امریکہ میں جاب کرنے آئی تھی۔ امریکہ میں زاہد کی اور سارہ کی ملاقات ہوئی تھی۔



کچھ ٹائم میں ان کی دوستی محبت میں بدل گئی۔ ان دونوں نے پاکستان جا کر اپنے گھر والوں کو راضی کیا اور شادی کے بعد امریکہ کے شہر نیویارک میں شفٹ ہیموگئے۔

کچھ ہی وقت میں اللہ نے انہیں اولاد جیسی نعمت سے نوازا۔ جس کا نام انہوں نے ماہر احمد رکھا۔ پانچ سال بعد ان کا ایک اور بیٹا ہوا جس کا نام انہوں نے ولی احمد رکھا۔

جب ولی 20 سال کا ہوا تب پاکستان میں زاہد احمد کے دوست اور ان کی زوجہ کا کار آکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا۔ جس پر وہ اور مسز سارہ احمد فوراً پاکستان روانہ ہوئے۔ واپسی پر وہ اپنے ساتھ اپنے دوست کی وصیت پر ان کے اکلوتے بیٹے کو اپنے ساتھ نیویارک لے آئے۔

وہ ولی کی عمر کا تھا۔ اس کا نام عمر عبید تھا۔ عمر ہمیشہ سے خوش مزاج لڑکا تھا اس لیے وہ بہت جلد ان سب کے ساتھ گھل مل گیا تھا۔ اس نے مسٹر اینڈ مسز احمد کو می پاپا کہنا شروع کر دیا تھا۔

ایک سال تک ماہر شادی کر کے دوسرے شہر شفٹ ہو گیا تھا۔

کچھ مہینوں بعد ہارٹ اٹیک کی وجہ سے زاہد احمد وفات پا گئے۔

مسز سارہ نے بہت ہمت سے خد کو سنبھالا۔

چار سال بعد جو حادثہ ولی کے ساتھ پیش آیا۔ اس نے ان سب کو ہلا دیا تھا۔

## حال

عمر خاموشی سے مسز سارہ کے پیچھے سے آیا اور ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔

"عمر مجھے پتہ ہے کہ یہ تم ہو" مسز سارہ عمر کی ان شرارتوں سے واقف تھی

"ہر می آپ ہمیشہ پہچان لیتی ہیں" عمر کا مزہ خراب ہوا تھا۔

اس لیے اس نے صوفے پر بیٹھ کر مسز سارہ کی گود میں سر رکھ لیا۔  
 "مجھے اپنے بیٹے کے لمس سے پتہ چل جاتا ہے" مسز سارہ نے شفقت سے کہ کر عمر کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

-  
 "ممی ولی کی شادی کروادے جلدی سے"

ت

"یہ اچانک تمہیں ولی کی شادی کہا سے یاد آگئی" انہوں نے پوچھا۔

"اس کی شادی ہوگی تو میری ہوگی"

"اچھا تو اس کا مطلب تمہیں کوئی پسند آگئی ہے" مسز سارہ نے خوشی سے پوچھا۔

"بس ایسا ہی سمجھ لیں۔ پر آپ ولی کا سوچے نا" عمر نے کہا۔

"ولی کے لیے میں نے کچھ سوچا ہوا ہے۔ بس تم ویٹ کرو" مسز سارہ نے رازداری سے بتایا۔

"واقع" عمر کافی خوش ہوا تھا۔

"بس تم کسی سے کہنا مت" مسز سارہ نے اسے خبردار کیا۔

"ارے آپ فکر ہی نہ کریں آپ کا راز میرے سینے میں محفوظ ہو چکا ہے" عمر نے کھلے دل سے تسلی دی۔

وہ انتہائی غصے میں گھر آئی تھی۔ اس نے کمرے میں آتے ہی دروازہ لاک کیا۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر

موجود تمام اشیاء زمین پر پھینک دی۔

"ان کی ہمت کیسے ہوئی میرا مذاق اڑانے کی۔ میرا ماہ نور آفندی کا" وہ چیخی تھی۔

"یہ سب عامر سکندر اور اس زارا آفندی کی وجہ سے ہوا ہے"

"نہیں چھوڑوں گی میں۔ کسی کو نہیں چھوڑوں گی" وہ غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

آج ماہ نور کا اس کی دوستوں نے مزاق اڑایا تھا۔ کیونکہ کہ اس کا شوہر پچھلے ڈھائی سال سے لندن گیا ہوا تھا۔ اور اس کو مر کر پوچھا بھی نہیں تھا "یہ تمہارے کرمو کی سزا ہے" یہ اس کی دوست نے کہا تھا۔ جو اس نے چار سال پہلے زارا کے ساتھ کیا تھا اس سے سب واقف تھے۔

ولی اپنے روم میں کام کر رہا تھا۔ تب ایک دم اسے زارا کا خیال آیا۔ اور اس کے منہ پر ایک مسکراہٹ آگئی۔

"کل غصے میں اس کا چہرہ دیکھنے والا تھا" وہ خدی کہہ کر ہنسنے لگا۔

"ویسے وہ غصے میں کافی کیوٹ لگتی ہے"

ہنستے ہوئے اسے ایک دم خیال آیا کہ وہ خد سے باتیں کر رہا ہے۔

ولی کو زارا کے بارے میں حیا نے ہی بتایا تھا کہ چار سال پہلے اس کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا اور وہ اپنے بابا کے ساتھ رہتی ہے۔

لیکن ولی اکثر یہ سوچتا تھا کہ وہ اتنی سنجیدہ مزاج اور غصے والی کیوں ہے۔ کیونکہ وہ آج کل کی لڑکیوں کی طرح بالکل نہیں تھی۔ اس کا حجاب کرنا ولی کو کافی اچھا لگتا تھا۔

"میں اس کے بارے میں اتنا کیوں سوچ رہا ہوں" اس نے خدی کو ڈپٹا۔

اب وہ پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔

رات کا اندھیرا ہر سو پھیلا ہوا تھا۔ ایسے میں آفندی ہاؤس میں مکمل خاموشی تھی۔

علی آفندی سوچکے تھے۔

زارا اپنے کمرے میں تھی۔ وہ ابھی عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھی۔ اب وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سٹول پر بیٹھی اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی۔

جب اچانک اسے ولی کا خیال آیا۔ ان کی نوک جھوک یاد کر کے وہ خدی ہنسنے لگی۔  
"پتہ نہیں اسے دیکھ کر مجھے اتنا غصہ کیو آجاتا ہے" اس نے خد کلامی کی۔

"خیر مجھے کیا۔ میں کیوں اس کا سوچ رہی ہوں" اس نے خد کو منع کیا۔

وہ اپنے بال جوڑے میں باندھتی ہوئی بیڈ پر بیٹھ گئی۔ ابھی وہ بیٹھی ہی تھی کہ اسکے فون پر کال آنے لگی۔  
"یہ کون ہے" فون کی روشن سکریں پر ایک انجان نمبر تھا  
زارا نے گھڑی پر وقت دیکھا رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

اس نے کال ریسیو کر کے خاموشی سے کان پر لگایا۔

"ہیلو۔ زارا آفندی بول رہی ہیں" فون سے ایک لڑکی کی آواز ابھری۔  
"جی۔ آپ کون" زارا نے تفتیش سے پوچھا۔

"میں عمل خان بول رہی ہوں زارا آپنی۔ یونی میں آپ کی جو نیئر تھی" عمل نے بتایا۔  
"ہاں یاد آیا کیسی ہو عمل۔ آپ نے نمبر چینیج کر لیا ہے" زارا کو یاد آیا۔

عمل خان نے ہاسٹل میں زارا کے ساتھ ایک سال روم شیر کیا تھا۔ وہ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس میں زارا سے ایک سال جو نیئر تھی۔ زارا نے اس کے ساتھ بہت اچھا ٹائم گزارا تھا۔ عمل زارا سے پڑھائی میں بھی مدد لیتی تھی۔  
- ہاسٹل کے بعد بھی زارا کا عمل سے رابطہ تھا۔ لیکن آج عمل کی ایک سال بعد کال آئی تھی۔

"جی آپنی کچھ ٹائم پہلے نمبر چینیج کیا تھا" عمل نے بتایا۔

"اچھا۔ آج کل کیا کر رہی ہو۔ اور شادی کر لی تم نے" زارا نے پوچھا۔  
عمل کی انگلیجمنٹ دو سال پہلے ہوئی تھی۔ اس سے جسے وہ پسند کرتی تھی۔

"میں ابھی بھی جاب کر رہی ہوں۔ میری منگنی ٹوٹ گئی ہے" عمل نے بتایا۔  
 "وہ کیسے۔ تم ٹھیک تو ہونا عمل" زارا کو اس کی فکر ہوئی۔  
 "جی۔ آپنی میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ آپ کے پاس ٹائم ہے"  
 "ہاں ضرور۔ میں تمہیں ٹائم اور جگہ سینڈ کر دو گی" زارا نے کہا۔  
 "ٹھیک ہے آپنی کل ملتے ہیں" عمل نے کہا۔  
 "خدا حافظ" زارا نے کہہ کر کال بند کر دی۔  
 اب وہ سونے کے لیے لیٹ گئی تھی۔

آج سنڈے تھا اس لیے حمید آفندی کے گھر سب ایک ساتھ ناشتہ کر رہے تھے۔ لائبہ آفندی عمرہ کرنے گئی تھی۔ ان کے واپس آنے میں ابھی ایک مہینہ تھا۔  
 حمید آفندی بزنس مین تھے۔ انہیں اپنی بیوی اور بچوں سے محبت تھی۔ ماہ نور کے والدین اس کی حرکتوں سے واقف تھے۔ وہ اب اسے سمجھاتے بھی نہیں تھے۔ اس لیے ان دونوں کا زیادہ دھیان حیا پر ہوتا تھا۔  
 ابھی بھی ڈرائنگ ٹیبل پر وہ حیا سے باتوں میں مصروف تھے۔  
 جو کہ ماہ نور سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔  
 "اب بس کر دے۔ میں بھی یہاں موجود ہوں بابا لیکن آپ کو نظر نہیں آرہی۔ ہمیشہ کی طرح" ماہ نور چیخی تھی۔

ایک دم پورے گھر میں خاموشی ہو گئی تھی۔  
 "اب تمہیں باپ سے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں رہی" حمید آفندی نے افسوس سے کہا۔

"آپ کو میری ہر بات بد تمیز لگتی ہے۔ آپ نے کبھی خد پر غور کیا ہے "ماہ نور نے کہا۔  
 "سہی کہ رہی ہو۔ ہمارا ہی قصور ہے۔ ہم سے ہی تمہاری تربیت میں کمی رہ گئی" انہیں اس کے لہجے سے  
 تکلیف ہوئی تھی۔

"آپ نے آج تک کیا کیا ہے میرے لیے" ماہ نور چیختی ہوئی کر سی گھسیٹ کر کھڑی ہو گئی۔  
 "میں نے کیا کیا ہے۔ میں نے تمہارے لیے اپنے باپ کا گھر چھوڑا۔ اپنے پیارے بھائی کو اکیلا کیا۔ تم نے  
 میری بیٹی زارا کے ساتھ جو کیا اس کے بعد بھی میں نے تمہیں اپنے گھر رکھا" ان کی آواز بھی بلند ہوئی۔  
 حمید آفندی بھی کھڑے ہو گئے تھے۔  
 حیا بھی کھڑی ہو گئی تھی۔

"بس کر دے آپ۔ بابا کا بلڈ پریشر ہائی ہو رہا ہے" حیا نے کہا۔  
 "چپ کرو تم۔ بابا آپ کو سب سے پیارے ہیں۔ بس میں ہی سب کو بڑی لگتی ہوں" ماہ نور کہہ کر اپنے کمرے  
 میں چلی گئی۔

اس کے جاتے ہی حمید آفندی نڈھال ہو کر کرسی پر بیٹھ گئے۔  
 "بابا آپ ٹھیک ہیں" حیا نے فکر مندی سے کہا۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹا" حمید آفندی کہہ کر اپنی سٹڈی کی طرف چلے گئے۔  
 ان کے جانے کے بعد حیا نے افسوس سے سر ہلایا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔  
 اس گھر میں یہ تماشے روز کے تھے۔ ماہ نور جہاں ہو وہاں سکون نہیں ہو سکتا۔

## ماضی

زارا نے ایم-بی-بی-ایس میں گولڈ میڈل حاصل کیا۔ جب اس کی ڈگری مکمل کر کے وہ گھر واپس آئی تو اس کا استقبال ایک بہت بڑی خبر نے کیا۔

نادیہ حسن کو کینسر ہو چکا تھا۔ وہ لاسٹ سیٹج پر تھی۔ نادیہ کا دوسرا شوہر بھی اس گھر میں رہتا تھا۔ نادیہ نے پانچ سال پہلے دوسری شادی کی تھی۔

کچھ ہی ہفتوں میں نادیہ حسن فوت ہو گئی۔ یہ خبر زارا کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ اس کی ماں جتنی بھی بڑی تھی لیکن اسے اپنی ماں سے محبت تھی۔

زارا نے اپنی ماں کا بہت غم لیا۔ اسے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ اس کا سوتیلا باپ نادیہ کی ساری جائیداد کی کر چلا گیا۔

علی آفندی آکر زارا کو اپنے ساتھ لے گئے۔ اسے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ وہ آفندی ہاؤس آکر بھی ہر وقت کمرے میں رہتی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE  
علی آفندی کو زارا کی حالت نے بہت حیران کیا تھا۔ انہیں شدت سے اپنی ماضی کی غلطیوں پر افسوس ہوا

حیا اس وقت ایم-بی-بی-ایس کے فرسٹ سیمیٹر میں تھی۔ اس نے بہت کوشش کر کے زارا سے دوستی کی اور اسے اس کے کمرے سے باہر لائی۔ زارا بھی حیا سے بہت اٹیچ ہو گئی۔ زارا نے آہستہ آہستہ علی آفندی سے۔ بھی بات کرنی شروع کر دی۔ حمید آفندی اور لائبہ آفندی بھی زارا سے پیار کرتے تھے۔ لیکن یہ سب ماہ نور سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔ وہ ہر وقت چلتے پھرتے زارا کو باتیں سناتی رہتی۔



کچھ مہینے ایسے ہی گزر گئے۔ جب علی آفندی کے نئے بزنس پارٹنر کے بیٹے نے گھر آنا جانا شروع کیا۔ اس کا نام عامر سکندر تھا۔ عامر نے ایم۔بی۔اے کیا تھا اور اپنے والد کے ساتھ بزنس کر رہا تھا۔ عامر کو زار ا پسند آگئی۔ اس نے جب زار اسے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تو زار نے اسے بڑوں سے بات کرنے کا کہا۔ عامر نے اپنے گھر بات کی۔ اور کچھ ہی وقت میں ان دونوں کی منگنی ہو گئی۔ زار نے کچھ سال شادی کے لیے مانگے کیونکہ وہ کارڈیالوجسٹ بننا چاہتی تھی۔ اس وقت سب نے اس کی بات مان لی۔ زار بھی عامر کو پسند کرنے لگی۔

ماہ نور سے زار کی خوشی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

اس نے آہستہ آہستہ عامر سے دوستی کی اور پھر اسے زار سے بدگمان کرنا شروع کر دیا۔

ماہ نور کچھ ہی وقت میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تھی۔

عامر اب ماہ نور پر فدا ہو گیا تھا۔ اسے اب زار میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

زار عامر کو پسند کرنے لگی تھی۔ آج عامر نے زار کو ریسٹورنٹ ملنے بلایا تھا۔ زار اب بہت خوش تھی۔

اسے لگا کہ اس کی زندگی میں بھی خوشیاں آگئی ہیں۔

اس خوش فہمی تب دور ہوئی جب ریسٹورنٹ میں اس نے عامر کے ساتھ ماہ نور کو دیکھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو" زار نے ماہ نور سے پوچھا۔

"میں بتاتا ہوں" عامر نے جواب دیا۔ اور ساتھ ہی ماہ نور کا ہاتھ پکڑ لیا۔

ان دونوں کے ہاتھوں میں ہاتھ دیکھ کر زار کے دل میں درد اٹھا تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہی تمہارے رویے کی۔ اگر تم نے مجھے یہاں بلایا ہی تو یہ یہاں کیا کر رہی ہے" زار نے

پوچھا۔

"میں بتاتی ہوں۔ میں اور عامر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور شادی کرنا چاہتے ہیں" ماہ نور نے جواب دیا۔

زارا آفندی کو اس لمحے لگا تھا کہ اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہے۔

"یہ تم کیا کہ رہی ہو۔ عامر یہ کیا کہ رہی ہے" زارا کو لگا اس نے غلط سنا ہے۔

"زارا۔ زارا۔ تم ہوش میں آؤں اور سمجھو ہمیں" عامر نے کہا۔

"پر تم تو مجھ سے محبت کرتے تھے نا۔ ہم شادی کرنے والے تھے" زارا کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ہا ہا ہا" عامر اور ماہ نور ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسے۔

اس وقت زارا کو ایسا لگا جیسے اس کی ذات ان سب کے لیے صرف مزاق ہے۔

"تم نے دیکھا ہے خد کو۔ یہ حجاب۔ یہ پاکیزہ بننے کا ڈرامہ۔ میں عامر سکندر ہوں۔ ابھی میں اتنا پاگل نہیں

ہوا کہ ماہ نور کو چھوڑ کر تم جیسی لڑکی سے شادی کروں گا" عامر نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"او زارا۔ تم مان لو کہ تم میرا مقابلہ نہیں کر سکتی" ماہ نور نے فخر سے کہا۔

زارا کو لگا وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہے۔ اس نے ارد گرد دیکھا سب نارمل تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

یہ خواب نہیں تھا۔ اس کی زندگی کی تلخ حقیقت تھی۔

"تم لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہو" زارا نے اپنی ساری ہمت جمع کر کے کہا۔ وہ جواب جانتی تھی۔

"ہمارے راستے سے ہٹ جاؤں" ماہ نور نے سفاکی سے کہا۔

زارا نے تکلیف سے اپنی آنکھیں میچ لیں۔

اب تکلیف برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

"ٹھیک ہے" کہ کر زارا وہاں رکی نہیں اور تیزی سے ریسٹورنٹ سے نکلی۔

کمرے میں ہر طرف اندھیرا تھا۔ ایسے میں زارا بیڈ سے ٹیک لگا کر زمین پر بیٹھی تھی۔ وہ دور چلا میں دیکھ رہی تھی۔

اس کا دماغ ابھی بھی آج کا صدمہ پر اسیس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔  
کسی نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ ہیل کی ٹک ٹک آہستہ آہستہ قریب آرہی تھی۔ تیز پرفیوم کی مہک پورے کمرے میں پھیل گئی تھی۔  
اب ہیل کی ٹک ٹک رک گئی تھی۔

"اوزار اڈیٹر۔ کیا ہوا۔ اپنی قسمت کا ماتم منارہی ہو" ماہ نور آفندی کی سفاک آواز زارا کے کانوں میں پری۔  
"افسوس کہا تھا میں نے۔ کہ تمہیں برباد کر دوں گی"

"ہا ہا ہا" وہ ایک زہر خند قہقہا تھا۔  
"اپنی شکل دیکھو زارا، کتنی شکست ہے اس پر میں بچپن سے یہیں دیکھنا چاہتی تھی" وہ ایک شیطانی لہجہ تھا۔

"قسم سے آج میرے دل کو سکون مل گیا ہے" ماہ نور نے جوشی سے کہا۔  
"دفعہ ہو جاؤں" زارا نے کہا۔  
"کیا کہا"

"میں نے کہا دفعہ ہو جاؤں یہاں سے۔ سنائیں نہیں دیتا" زارا حلق کے بل چیخی تھی۔  
"ہا ہا ہا۔ کتنی بے بس ہو تم اس وقت" ماہ نور کو اس کی حالت سے مزہ آ رہا تھا۔  
"جاؤں یہاں سے۔ ورنہ میں تمہاری جان لے لوں گی" زارا نے پاس پر اگلدان اٹھا کر کہا۔  
ماہ نور کمرے سے چلی گئی۔

اس کے جاتے ہی زارا نے وہ گلدان زمین پر مار دیا۔

زار نے کمرہ لاک کر دیا۔

اب وہ ایک ایک کر کے کمرے کی ساری چیزے توڑ رہی تھی۔  
اس کی آوازیں سن کر لاءیبہ بیگم اور حیا دروازے پر دستک دینے لگی۔  
"زار دروازہ کھولوں" لاءیبہ بیگم۔ ے کہا۔

اتنے میں علی آفندی اور حمید آفندی بھی آگئے۔

اندر سے آوازیں آنا بند ہو گئی تھی۔

ان لوگوں نے ایکسٹر اچابی سے دروازہ کھولا۔

اندر کا منظر ظاہر ہوا۔

کمرے کی ہر چیز ٹوٹی ہوئی تھی۔

زار زمین پر بے ہوش تھی۔

Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

گھر میں سب کو ماہ نور اور عامر کی حرکت کا پتہ چل گیا تھا۔

حمید آفندی نے ماہ نور کو عامر سے رابطہ رکھنے سے سختی سے منع کیا۔

اگلے ہی دن ماہ نور اور عامر سب کے سامنے نکاح کر کے موجود تھے۔

علی آفندی اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

انہوں نے حمید آفندی کو ان کا حصہ دیا اور گھر سے جانے کو کہا۔ اور ماہ نور کے لیے گھر کے دروازے بند کر

دیے۔

حمید آفندی بھائی کی مجبوری سمجھتے تھے۔ وہ بھی ماہ نور کی حرکت سے بہت شرمندہ تھے۔

اس لیے وہ خاموشی سے گھر سے چلے گئے۔

اور عدیل آفندی کے محبت کرنے والے بیٹے جدا ہو گئے

زارا دو مہینے ڈپریشن میں رہی۔

ماں کے جانے کا غم۔

ادھورا بچپن۔

دھوکا....

تمام غموں نے اسے یک ساتھ گھیر لیا۔

حال

دوپہر کے وقت زارا علی آفندی کے ساتھ گارڈن میں کافی پی رہی تھی۔ وہ لوگ باتیں کر رہے تھے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"زارا تمہیں یاد ہے نہ آج رات 8 بجے ہم نے ڈنر پر جانا ہے" علی آفندی نے یاد کروایا۔

"جی بابا۔ لیکن یہ تو بتائے کہ وہ کون لوگ ہیں" زارا نے پوچھا۔

"میرے بچپن کے دوست کی بیوی اور بیٹا ہے" انہوں نے کہا۔

"اور آپ کے دوست" زارا نے پوچھا۔

"اس کی کافی سال پہلے ڈیٹھ ہو گئی تھی" انہوں نے افسردگی سے جواب دیا۔

رات کے آٹھ بجے لاہور کا یہ سیون سٹار ریستورنٹ جگمگا رہا تھا۔

"ممی یہ بابا کہ کون سے دوست ہیں۔ جن کا مجھے نہیں پتہ" ولی نے ریستورنٹ کے باہر گاڑی پارک کرتے ہوئے کہا۔

"اندر چلو اور مل لو" مسسز احمد نے کہا۔

ولی نے اس وقت بلیک جینس پر بلوڈ نیم جیکٹ پہنی تھی۔ اور بھورے گھنگھرا لے بال ہمیشہ کی طرح ماتھے پر بکھرے تھے۔ اور اسے وجیہ بنا رہے تھے۔

"بابا ابھی تک وہ لوگ نہیں آئے" زارا نے سمارٹ وانچ پر وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

زارا نے اس وقت لائٹ پنک سلک کالانگ فراک پہنا تھا۔ اس کے ساتھ سکن حجاب اور وائٹ بلاک ہیلز پہنیں تھی۔ اور ہاتھ میں نازک ساسلور کلب موجود تھا۔ میکپ کے نام پر صرف ٹینٹ لگایا تھا۔

بلاشبہ وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

"اسلام علیکم بھائی جان" زارا نے گردن اٹھا کر دیکھا جب عقب سے مسز احمد کی آواز آئی۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہیں بھابھی" علی آفندی نے اخلاق سے کھڑے ہو کر جواب دیا۔

زارا بھی کھڑی ہو گئی۔ جب اس کی نظر مسز احمد کے پیچھے کھڑے شخص پر پری۔

بڑی بڑی پلکوں والی بادامی آنکھیں بھوری آنکھوں سے ملی۔

دونوں آنکھوں میں حیرت ابھری۔

"یہ میرا بیٹا ہے ولی" مسز احمد نے تعارف کروایا۔

"اور یہ میری بیٹی ہے زارا" علی آفندی نے بھی کہا۔

"کیا ہوا بچوں آپ لوگ ایک دوسرے کو ایسے کیو دیکھ رہے ہو" مسز سارہ نے کہا۔

"زارا تم ولی کو جانتی ہو" علی آفندی نے پوچھا۔

"ممی میں جس ہاسپٹل میں جاب کرتا ہوں وہاں پر زارا سینئر کارڈیالوجسٹ ہے" ولی نے بتایا۔  
 "جی بابا۔ یہ وہاں پر نیورولوجسٹ ہے" زارا نے بھی کہا۔  
 "ارے ماشاء اللہ یہ تو بہت اچھی بات ہے" مسز احمد نے خوشی کا اظہار کیا۔  
 "واقع میں۔ آپ لوگ بیٹھے نا" علی آفندی نے کہا۔  
 سب لوگ بیٹھ گئے۔ اس طرح کے ایک طرف علی آفندی اور زارا جبکہ دوسری طرف ولی اور مسز احمد۔  
 "اور بیٹا آپ اپنے بارے میں بتاؤں۔ کیا ہابی ہے آپ کی" مسز احمد نے زارا سے پوچھا۔  
 "کچھ خاص نہیں آنٹی۔ جاب اتنی ٹف ہے کہ ان سب کا ٹائم نہیں ملتا۔ لیکن مجھے کتابیں بہت پسند ہیں۔  
 آئی لائیک ریڈنگ" زارا نے کہا۔  
 "ماشاء اللہ کتنا پیارا بولتی ہو تم" مسز احمد تو زارا کے صدقے جا رہی تھی۔  
 ولی کامی کی اس بات پر ہنسنا کنٹرول نہیں ہوا۔ لیکن وہ کمال مہارت سے اسے کھانسی میں بدل دیا۔  
 "ارے کیا ہوا" مسز سارہ فکر مند ہوئی۔  
 "بیٹا پانی پیو" علی آفندی نے کہا۔  
 BEING THE STRING OF YOUR KITE  
 زارا اس کی حرکت سمجھ گئی تھی۔ اس لیے اس نے اسے گھوری سے نوازا۔

کھانا لگ چکا تھا۔

جب زارا واشروم کا کہہ کر وہاں سے آگئی۔  
 جیسے ہی زارا واشروم سے نکلی۔ وہ سامنے سے آرہی تھی۔  
 ماہ نور اپنی دوستوں کے ساتھ ڈنر پر آئی تھی۔ جب اس نے زارا کو واشروم سے نکلتے دیکھا۔  
 ماہ نور کے چہرے پر ایک تنزیہ مسکراہٹ تھی۔ اس نے اپنی دوستوں کو اشارہ کیا۔ جو وہ سمجھ گئی۔



زارا نے انہیں نظر انداز کرتے ہوئے وہاں سے گزرنے کی کوشش کی۔ لیکن ماہ نور نے اور اس کی دوستوں نے اس کا راستہ روک لیا۔

"راستے سے ہٹ جاؤں" زارا نے سنجیدگی سے کہا۔  
"نہیں ہٹے گے۔ کیا کر لوگی" ماہ نور نے جواب دیا۔

"ماہ نور آفندی میرے راستے سے ہٹ جاؤں" زارا نے ضبط کر کے دوبارہ کہا۔  
"نوزار اڈیئر۔ ماہ نور سکندر بولو۔ تم بھول کیو جاتی ہو" ماہ نور نے چوٹ کی۔

زارا نے اسے نظر انداز کر کے دوسری طرف سے نکلنے کی کوشش کی۔ جب دوبارہ ماہ نور نے اور اس کی دوستوں نے اس کا راستہ روک دیا۔

زارا کا دل گھبرا رہا تھا۔ بچپن میں بھی ماہ نور ایسے ہی زارا کو بلی کرتی تھی۔

زارا کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

ماہ نور اور اسکی دوستیں ہنس رہی تھی۔

اب ماہ نور اپنی دوست کے کان میں کچھ کہہ رہی تھی۔

جس پر وہ سب ہنسنے لگ گئی تھی۔

ساری آوازیں آنا بند ہو گئی تھی۔

پھر ایک آواز زارا آفندی کے کانوں میں گونجی۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں پر۔ ہٹو یہاں سے"

زارا نے مر کر دیکھا۔

وہ وہاں تھا اس کے لیے بول رہا تھا۔

ولی احمد زارا کے آگے ڈھال کی طرح کھڑا تھا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی زارا کو تنگ کرنے کی" وہ کہہ رہا تھا۔  
 آگے سے ماہ نور نے کچھ کہا لیکن وہ زارا کو سنائی نہیں دے رہا تھا۔  
 اسے صرف ایک شخص کی آواز آرہی تھی۔ جو اس کے سامنے کھڑا تھا۔  
 ولی مڑا اور زارا کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے نکل آیا۔  
 زارا اس شخص کے ساتھ کچھی جا رہی تھی۔  
 آج زندگی میں پہلی دفع کوئی زارا آفندی کے لیے بولا تھا۔

ولی زارا کو ریسٹورنٹ کے باہر پارکنگ ایریا میں لے آیا تھا۔  
 "تم ٹھیک ہو" ولی نے کہا۔

ولی کو احساس ہوا کہ زارا ہوش میں نہیں ہے۔  
 اسے پہلے وہ کچھ کرتا زارا نے اس کے سینے پر سر رکھ دیا۔  
 اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔  
 ولی احمد اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔  
 BEING THE STRING OF YOUR KITE

تھوڑی دیر میں زارا کو احساس ہوا اور ولی سے ایک جھٹکے سے ولی سے الگ ہوئی۔  
 "ایم سوری" زارا کو شدید شرمندگی ہوئی۔

ولی اس کی شرمندگی سمجھ گیا تھا۔ اس لیے بولا۔  
 "مجھے تو یقین نہیں آ رہا۔ زارا آفندی نے مجھے سوری بولا" ولی جوش سے بولا۔  
 "کیا۔ میں نے تو صرف" زارا کو سمجھ نہیں آئی کہ کیا کہے۔  
 "سنو سارے زارا نے مجھے سوری بولا" اب ولی خوشی سے چیخا۔

اس کی یہ حرکت دیکھ کر زارا کھکھلا کر ہنسنے لگی۔  
 اس کی کھکھلاہٹ چاروں طرف گونجنے لگی۔  
 روئی ہوئی سرخ آنکھوں کے ساتھ ہنستی ہوئی وہ ولی کے دل میں اتر رہی تھی۔  
 آج ولی احمد نے دل میں اقرار کیا تھا کہ زارا آفندی اس دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی ہے۔  
 اور اس کی آنکھیں بہت سہر زدہ ہیں۔  
 "کیا ہوا ایسے کیو دیکھ رہے ہو" زارا نے مسکرا کر پوچھا۔  
 "کیسے دیکھ رہا ہوں" ولی نے الٹا سوال کیا۔  
 "جیسے پہلی دفع دیکھ رہے ہو" زارا نے کہا۔  
 "پہلی دفع ہی تو دیکھ رہا ہوں" ولی نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔  
 "مطلب" زارا کو سمجھ نہیں آئی۔  
 "کچھ نہیں۔ تم ٹھیک ہو اب" ولی نے بات بدل دی۔  
 "پہلے سے کافی اچھا فیل کر رہی ہو"  
 "تھینک یو ولی" زارا نے کہا  
 "بس کروں۔ چلو اب اندر۔ ورنہ ممی نے باہر آ جانا ہے" ولی نے کہا۔  
 "ہاں۔ چلو" زارا نے کہا۔

رات کافی گہری ہو چکی تھی۔ ایسے میں ماہ نور اپنے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ آج اسے نیند نہیں آئی تھی۔  
 "کون تھا وہ۔ جو زارا کی ڈھال بنا"

آج کی صبح زارا آفندی کے لیے کافی خوشگوار تھی۔

وہ ہاسٹل میں ریگولر کام کر رہی تھی۔ لیکن آج اس کا موڈ کافی خوشگوار تھا۔

وہ چاروں اس وقت کینٹین میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

یہ خوشگوار ماحول حیا اور عمر کو پریشانی میں ڈال رہا تھا۔

"زارا آج تمہاری طبیعت ٹھیک ہے" عمر نے پوچھا۔

"ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کیو" زارا نے سکون سے جواب دیا۔

"ویسے ہی" عمر نے ٹالا۔

"ولی بھائی آپ آج کافی خاموش ہیں۔ کچھ ہوا ہے کیا" اب حیا نے ولی سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں ہوا۔ میں تو آج کافی خوش ہوں" ولی نے خوشی سے جواب دیا۔

حیا نے عمر کو میسج کیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے عمر"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"مجھے خود کچھ سمجھ نہیں آرہی" عمر پریشانی سے ریپلائے کیا۔

"یار زارا آپ کی ولی بھائی ساتھ بیٹھے ہیں اور لڑ نہیں رہے" حیا نے رونے والے ایموجی کے ساتھ میسج کیا۔

"مجھے لگ رہا ہے میرا دماغ خراب ہو جائے گی" عمر نے کہا۔

"ایسا کرتے ہیں ان سے پوچھتے ہیں" حیا نے میسج کر کے فون ٹیبل پر رکھ دیا۔

"بس بہت ہو گیا۔ اب آپ دونوں کو ہمیں بتانا پڑے گا" حیا نے غصے سے کہا۔

"کیا بتائیں۔ ہم نے کیا کیا ہے" ولی نے کہا۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا۔ آج صبح سے تم لوگ لڑے نہیں ہو۔

پچھلے ڈیڑھ مہینے میں آج پہلا دن ہے جب تم لوگ لڑ نہیں رہے " عمر پھٹ پڑا۔  
 ان دونوں کی حالت دیکھ کر زارا اور ولی سے ہنسی کنٹرول نہیں ہوئی۔ اور وہ دونوں ہنسنے لگے۔  
 "آپ لوگ ہنس کیو رہے ہیں" حیا پوچھا۔  
 "ایک بات جان لو تم دونوں کے آج سے میری اور زارا کی لڑائی ختم" ولی نے اعلان کیا۔  
 "کیا ایااا" عمر چیخا۔

"آپ کیا کہ رہے ہیں" حیا نے بے یقینی سے کہا۔  
 "ہاں یار۔ اب ہم نہیں لڑے گے" زارا نے کہا۔  
 عمر اور حیا کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔  
 "کیا تم دونوں اکسپلین کرو گے ہمیں" عمر نے کہا۔

ولی نے رات کا واقعہ دونوں کو بتا دیا۔  
 وہ دونوں جیسے جیسے سنتے گئے ان کی بے یقینی بڑھتی گئی۔  
 ساری بات سن کر عمر بولا۔

"اس کا مطلب رات کو مئی تمہیں بابا کے جس دوست اور انکی بیٹی سے ملانے گئی تھی وہ زارا اور اس کے بابا  
 تھے"

"اور کل جب آپ اپنی آپ کو تنگ کر ہی تھی تب ولی بھائی نے آپکی ہیلپ کی" حیا نے کہا۔  
 ان دونوں کو اب سمجھ آئی تھی۔  
 "اب تم لوگوں کو سمجھ آئی" زارا نے کہا۔

"اچھا میں جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر میں میری سرجری ہے" ولی کہہ کر چلا گیا۔  
 "میرا بھی اپائنٹمنٹ ہے" کہہ کر زارا بھی چلی گئی۔

ان دونوں کو ابھی بھی یقین کرنے کے لیے وقت چاہیے تھا۔

دوپہر کا وقت تھا۔ ایسے میں اس اوپن کیفے میں موسم کافی خوشگوار تھا۔  
 زارا کو عمل نے یہی جگہ بولایا تھا۔ زارا پندرہ منٹ سے اس کاویٹ کر رہی تھی۔  
 جب دور سے اسے ایک لڑکی اپنی طرف آتی دیکھائی دی۔ زارا کو اسے پہچاننے میں کافی مشکل ہوئی تھی۔  
 کیونکہ یہ وہ عمل نہیں تھی جسے وہ جانتی تھی۔  
 عمل نے اس وقت حجاب کیا ہوا تھا۔  
 جو کہ کافی حیرانی کی بات تھی۔

"اسلام علیکم" عمل نے سلام کیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔  
 "وعلیکم السلام۔ کیسی ہو تم" زارا نے کہا۔  
 "میں بالکل ٹھیک آپ کیسی ہیں" عمل نے کہا۔  
 "میں ٹھیک۔ یہ حجاب پر منٹ ہے یہ ویسے ہی" زارا نے پوچھا۔  
 "نہیں آپنی میں نے حجاب اپنا لیا ہے" عمل نے بتایا۔  
 "بہت مبارک ہو۔ اب یہ بتاؤں تم نے مجھے ملنے کیو بولایا" زارا نے پوچھا۔  
 "آپنی میں بہت ڈسٹرب ہوں۔ مجھے آپ کی مدد چاہیے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی" اس نے پریشانی سے کہا۔

"کیا ہوا ہے مجھے بتاؤں" زارا نے پوچھا۔  
 "آپنی دو سال پہلے میری منگنی ہوئی تھی۔ ڈیڑھ سال تو سب نارمل رہا۔ پھر آہستہ آہستہ نومان نے مجھ میں  
 نقص نکالنے شروع کر دیئے۔ اسے میرے کپڑوں سے میرے دو بٹہ لینے سے مسئلہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں

باقی لڑکیوں کی طرح جینز اور ٹی شرٹ اور ناز بیا کپڑے پہنو۔ میں اس کی اس بات سے بہت پریشان ہوئی۔ شروع میں میں نے اس کو راضی کرنے کی خوشی کی لیکن میں بہت بے سکون تھی۔ پھر مجھے احساس ہوا "عمل کی آنکھوں سے آنسوؤں ٹپکے۔ زارا اسے بہت دھیان سے سن رہی تھی۔

"احساس ہوا کہ میں نومان کو راضی کرنے کے چکر میں اپنے اللہ کو ناراض کر رہی ہوں۔ میں نے بہت ہمت سے فیصلہ کیا کہ اب میں صرف اللہ کو راضی کروں گی۔ میں نے حجاب شروع کیا۔ اور پھر نومان نے مجھے چھوڑ دیا"

عمل کی بچی بندھی۔

"آپنی مجھے سب نے چھوڑ دیا۔ میرے گھر والے مجھے نہیں اپنا رہے۔ انہیں لگتا ہے کوئی مجھ سے شادی نہیں کرے گا۔ میری دوستوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ آپنی میں کیا کروں"

عمل رونے لگی تھی۔

زارا نے اپنی جگہ سے اٹھ کر عمل کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ کر عمل کا سر اپنے سینے سے لگایا۔ اس سے عمل اور رونے لگی۔

"بس میری گڑیا۔ بس۔ اللہ بہتر کرے گا" زارا نے اسے پیار کیا اور خد سے الگ کر کے اسے ٹشو پیپر دیا۔ جسے اس نے اپنے آنسو صاف کیے۔

"سب ٹھیک کیسے ہو گا" عمل نے سوال کیا۔

"سب جدی ٹھیک ہو جائے گا۔ بس تم نے ہار نہیں مانیں گڑیا۔ تمہیں کسی نے نہیں چھوڑا بلکہ تم نے سب کو چھوڑا ہے۔ تم نے اللہ کے لیے سب چھوڑا ہے اب تمہیں لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اکیلا چھوڑے گا۔ تمہیں لگتا ہے تم نے یہ فیصلہ خد کیا ہے۔ نہیں میری گڑیا اللہ نے تمہیں چنا ہے۔ تم تو بہت خوش قسمت ہو



کہ اللہ نے اتنی دنیا میں سے تمہیں ہدایت کے لیے چنا "زارا کہ رہی تھی اور عمل کو اسکا ایک ایک لفظ سکون دے رہا تھا۔

"آپنی اگر میں نے سب ٹھیک کیا ہے تو لوگ مجھے پسند کیونہیں کرتے "عمل نے ایک اور سوال کیا۔  
 "یہ اگر کیا ہوتا ہے۔ تمہیں یقین ہونا چاہیے کہ تم نے جو کیا وہ ٹھیک ہے اور میری گڑیا ہمیں کسی کی  
 اپروول اور پسند کی ضرورت نہیں ہے ہمیں صرف اللہ کو راضی کرنا ہے "  
 "اور ہم جیسے لوگوں کو کوئی پسند نہیں کر سکتا"

"کیونکہ سیاہ گلاب کی مانند ہیں ہم عام نگاہوں کو بھاتے ہی نہیں "  
 "ہم خاص ہیں گڑیا۔ عام تھوڑی ہیں "زارا نے اسے سمجھایا۔

"آپنی آپ سے بات کر کے مجھے بہت سکون ملا ہے۔ بہت سے سوالوں کا جواب ملا ہے۔ اب مجھے یقین ہے  
 کہ میں خاص ہوں۔ مجھے صرف اللہ کو راضی کرنا ہے "عمل نے خوشی سے کہا۔  
 "شاباش یہی کانفیڈنس ہونا چاہیے ایک حجابی میں "زارا نے بھی خوشی سے کہا۔  
 "تھینک یو سوچ آپنی۔ اب میں چلتی ہوں "عمل نے کہا۔  
 "ابھی"

"مجھے ایک بہت ضروری کام کرنا ہے۔ کسی کو سیدھا کرنا ہے "عمل نے کہا۔  
 "بیسٹ آف لک "زارا نے کہا۔

آج کی صبح کافی خوشگوار تھی۔ ولی آج کل کافی خوش تھا۔ کیونکہ اس کی زارا سے دوستی ہو گئی تھی۔ کافی  
 دنوں سے وہ خوش خوش تھا۔

وہ اپنے روم میں تھا جب اسے ملازم نے پیغام دیا کہ مسز احمد اسے لاؤنچ میں بلا رہی ہیں۔

"ممی آپ نے مجھے بلایا" ولی نے کہ کر عمر کے ہاتھ سے ڈرائے فروٹ کا باؤل لیا۔ جس پر عمر نے اسے گھوڑا۔  
 "ہاں مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ پر تم مجھ سے وعدہ کرو کہ انکار نہیں کرو گے" مسز سارہ  
 نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ کہتے ممی میں انکار نہیں کروں گا" ولی نے یقین دلایا۔  
 "جیسا کہ تم دونوں زارا کو جانتے ہو۔ وہ تمہاری کالیگ بھی ہے اور تمہارے بابا کے دوست کی بیٹی۔ میں نے  
 اور علی بھائی نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم ولی اور زارا کا نکاح کر دے گے" مسز احمد نے اعلان کیا۔  
 "کیا" ولی کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔  
 "یہ تو بہت خوشی کی بات ہے" عمر کو پہلے سے شک تھا اس لیے وہ بہت خوش تھا۔  
 "ممی ایسا نہیں ہو سکتا" ولی نے سنجیدگی سے انکار کر دیا۔  
 "تم نے وعدہ کیا تھا ولی۔ تمہیں اپنے مرحوم بابا کی قسم ہے" مسز احمد نے ولی کو کچھ بولنے کے قابل نہیں  
 چھوڑا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

یہی حالت آفندی ہاؤس میں زارا کی تھی۔  
 "بابا ایسا نہیں ہو سکتا" زارا کہہ کر وہاں سے اٹھ گئی۔  
 علی آفندی اپنا سر پکڑ کر رہ گئے۔

رات بہت خاموشی سے گزر رہی تھی۔  
 ان دونوں کو ماضی کی سوچوں نے گھیرا ہوا تھا۔  
 زارا کے ذہن میں سارے واقعات گھوم رہے تھے۔

اور ولی اسے اپنا ماضی یاد آ رہا تھا۔

ماضی (چار سال پہلے)

ملک امریکا  
شہر نیویارک

زارا خان جس کی عمر بائیس سال تھی وہ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس میں ولی کی جو نیئر تھی۔ وہ اور ولی دو سال سے دوست تھے۔

اب ان کی دوستی محبت میں بدل گئی تھی۔  
زارا کے گھر والے اس کی جلدی شادی کرنا چاہتے تھے۔  
ولی نے مسز احمد سے بات کی لیکن انہوں نے اسے ابھی شادی کرنے سے منع کر دیا۔  
وہ جانتی تھی کہ ولی ابھی شادی جیسی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا۔

کچھ دن ایسے ہی گزر گئے۔ زارا بہت اچھی لڑکی تھی۔ اس نے کبھی ولی کو اس کی فیملی سے بدگمان نہیں کیا۔  
بلکہ ہمیشہ حوصلہ دیا۔ ولی زارا کو بہت پسند کرتا تھا۔  
لیکن قسمت کو کچھ اور منظور تھا۔  
آج سنڈے تھا۔ تو ولی اور زارا نے ساتھ دن گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔

وہ ہنس رہی تھی اور اس کی کھکھلاہٹ ماحول کو خوشگوار بنا رہی تھی۔  
 "ولی وہ دیکھوں کاٹن کینڈی۔ مجھے وہ کھانی ہے" اس لڑکی نے کہا۔  
 "اچھا میں لاتا ہوں۔ روڈ پر بہت رش ہے تم میرا ویٹ کرو" ولی نے کہا اور روڈ کر اس کر کے کاٹن کینڈی  
 خریدنے لگا۔

جب اچانک اسے شور کی آواز آئی۔ کسی لڑکی کا روڈ پر آکسیڈنٹ ہوا تھا۔  
 ولی کے دل میں کوئی وہم آیا تھا۔ وہ کاٹن کینڈی لے کر وہاں بھاگا جہاں وہ اسے انتظار کا کہہ کر آیا تھا۔  
 لیکن.....  
 وہ وہاں نہیں تھی۔

اسے لگا اسے سانس نہیں آرہا۔  
 وہ اندھا دھند بھیر کو چیرتے ہوئے آکسیڈنٹ کے سپاٹ پر پہنچا۔  
 اسے لگا اب وہ سانس نہیں لے سکے گا۔  
 وہ اس کے سامنے تھی۔  
 اس کے ہاتھ میں موجود کاٹن کینڈی زمین پر گری تھی۔  
 اس کے ساتھ جیسے ولی احمد کا دل بھی گر گیا تھا۔  
 وہ خون سے لت پت تھی۔

"زارا" وہ چیخا تھا۔  
 وہ بھاگ کر اس کے پاس زمین پر بیٹھا اور اس کا خون الود سر اپنی گود میں رکھا۔  
 "زارا آنکھیں کھولیں میری جان"

"خدا کے لیے مجھ پر یہ ظلم نہ کرو"  
وہ رورہا تھا۔

اس نے اس کی نبھ چیک کی۔  
دھڑکن رک چکی تھی۔

زارا خان اس دنیا سے جا چکی تھی۔

ولی احمد کے بس میں ہوتا تو وہ اپنی دھڑکنیں اسے دے دیتا۔  
لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔  
وہ تو اب کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

ولی نڈھال ساسڑک پر بیٹھا تھا۔ کسی نے ایسبولینس بلائی تھی۔  
سٹاف نے زارا کے بے جان وجود کو سٹرپچر پر ڈالا۔  
زارا کا ٹھنڈا بے جان ہاتھ ولی کے ہاتھ سے جدا ہو گیا۔  
سب کچھ سلوموشن میں ہو رہا تھا۔  
کوئی ولی کو سڑک سے اٹھا رہا تھا۔  
اب وہ ہاسپٹل میں تھا۔

ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ وہ ہاسپٹل آنے سے پہلے ہی مر چکی ہے۔  
زارا کے گھر والے رورہے تھے۔

زارا کو دفنایا گیا تھا۔

سب قبرستان سے جا چکے تھے۔

ولی زار کی قبر کے پاس بیٹھا تھا۔

عمر اس کے انتظار میں وہی کھڑا تھا۔

عمر گاڑی میں جا کر بیٹھ گیا۔ وہ اسے کچھ وقت دینا چاہتا تھا۔

نیویارک کے گریو یارڈ میں ولی احمد اکیلا بیٹھا تھا۔

اپنی محبت کی قبر پر نڈھال بیٹھا تھا۔

وہ کی گھنٹے ایسے ہی بیٹھا رہا۔ اس کہ پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ بلاخر وہ وہاں سے چلا آیا۔

کتنے مہینے ایسے ہی گزر گئے۔ ولی کو زندگی میں واپس آنے میں کافی ٹائم لگا۔

مسز احمد نے اور عمر نے بھرپور کوشش کی۔

اور پھر آہستہ آہستہ ولی بہتر ہو گیا۔

اس نے نیورولوجی میں سپیشلائزیشن کی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

اوہ اور عمر ایک ساتھ جاب کرتے تھے۔

پاکستان میں موجود زاہد احمد کی پراپرٹی کو خطرہ تھا۔ وہاں موجود ان کے ورکرز نے انہیں یہ خبر دی۔

اس لیے مسز احمد نے فوراً پاکستان آنے کا فیصلہ کیا۔

ویسے بھی وہ پاکستان شفقت ہونا چاہتی تھی۔

## حال

سٹی ہسپتال میں سب معمول کے مطابق تھا۔  
 زارا اپنے روم میں بیٹھی تھی۔ وہ رات والی بات سے کافی پریشان تھی۔  
 وہ اس بات سے مکمل انکاری تھی کہ وہ کسی سے شادی کرے۔ ماضی میں ہونے والے واقعہ کے بعد اس نے  
 فیصلہ کیا تھا کہ وہ کسی سے شادی نہیں کرے گی۔ لیکن بار بار اسے ریسٹورنٹ والا واقعہ یاد آتا تھا۔ اور  
 احساس دلاتا تھا کہ ولی الگ ہے۔  
 وہ کافی کنفیوز تھی۔

اچانک کسے نے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھول کر حیا اندر آئی۔  
 اور خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گئی۔  
 "کیا ہوا حیا سب ٹھیک ہے" زارا نے اسے پوچھا۔  
 "آپی آپ کو یاد ہے نہ آپ نے مجھے تایا ابو کے ساتھ جانے کا کہا تھا۔ ان کا ڈاکٹر فرحت کے پاس اپائنٹمنٹ  
 تھا۔ میں نے واپسی پر ڈاکٹر فرحت سے کہا تھا کہ تایا ابو کی جب بھی رپورٹس آئے مجھے انفارم کر دے۔  
 میں ابھی ڈاکٹر فرحت کے پاس سے آرہی ہوں" حیا نے کہا۔  
 "اچھا پھر کیا آیا بابا کی رپورٹس میں۔ سب ٹھیک ہے نہ" زارا فکر مند ہوئی۔  
 "آپی تایا ابو کے برین میں ٹیومر ہے" کہتے ہوئے حیا کی آنکھوں سے آنسوؤں نکلے۔  
 زارا کچھ بول نہ سکی۔

"کیا صورت حال ہے۔ علاج ممکن ہے" زارا ہی جانتی تھی اس نے یہ الفاظ کس دل سے ادا کیے تھے۔



واقعے میں خد کو مضبوط دکھانا اس دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔  
 "برین میں دو ٹیومر ہیں۔ سرجری ہوگی۔ بچنے کے چانسز 50 پر سنٹ ہے" حیانے گیلی آواز میں کہا۔  
 "بابا جانتے ہیں۔ وہ اس وقت کہا ہیں" زارا نے سنجیدگی سے کہا۔  
 "وہ پرسوں سے جانتے ہیں۔ ابھی بتایا ابو آفس میں ہیں۔ گھر آنے والے ہیں" حیانے جواب دیا۔  
 یہ سن کر زارا اپنی کرسی سے اٹھی اور اپنا سامان سمیٹ کر بیگ میں ڈالا اور دروازے کی طرف بھری۔  
 "آپ کہا جا رہی ہیں آپنی" حیانے فکر مندی سے پوچھا۔  
 "مجھے کچھ کام ہے۔ تم ڈاکٹر حامد سے کہنا کہ میری ہاف ڈے لیو لگا دے" زارا کہ کے کمرے سے چلی گئی۔

دماغی ٹیومر دماغی خلیوں میں بن سکتا ہے، یا یہ کہیں اور شروع ہو کر دماغ میں پھیل سکتا ہے۔ جیسے جیسے ٹیومر بڑھتا ہے، یہ دماغ کے ارد گرد کے ٹشوز پر دباؤ پیدا کرتا ہے اور اس کے کام کو تبدیل کرتا ہے۔  
 گریڈ 1 اور 2 برین ٹیومر غیر کینسر والے (سومی) ٹیومر ہیں جو کافی آہستہ آہستہ بڑھتے ہیں۔  
 گریڈ 3 اور 4 برین ٹیومر کینسر والے (مہلک) ٹیومر ہیں جو زیادہ تیزی سے بڑھتے ہیں اور ان کا علاج کرنا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

گاڑی سڑک پر روا تھی۔ زارا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی تھی لیکن اس کا دماغ کہیں اور تھا۔  
 اس کی آنکھوں سے آنسوؤں نکل رہے تھے۔  
 اب یہ آنسوؤں روکنا اس کے بس میں نہیں تھا۔

گاڑی آفندی ہاؤس کے باہر رہ گئی تھی۔ زارا نے اپنے آنسو صاف کیے اور سیٹ بیلٹ کھول کر گاڑی سے نکلی۔ اس نے گاڑی کی چابی گارڈ کو دی اور گھر کے اندر چلی گئی۔

اندر سامنے ہی صوفے پر علی آفندی بیٹھے تھے۔

زارا کو دیکھتے ہی ان کے چہرے پر مسکان آگئی۔

"ارے آج تم اتنی جلدی آگئی" انہوں نے گڑی پر وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ بھی تو کچھ دنوں سے جلدی گھر آرہے ہیں" زارا نے ہاتھ باندھ کر ان کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

اس کی آنکھوں میں تکلیف اور شکوہ تھا۔

"وہ میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی" علی آفندی نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"مجھے کیوں نہیں بتایا۔ کیا میں اس قابل نہیں تھی" زارا نے درد سے کہا۔ اور سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

"زارا" علی آفندی سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے تکلیف سے اسے پکارا۔

"میں تمہیں تکلیف نہیں دیتا چاہتا تھا" انہوں نے جواز پیش کیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"تو اب کیا میں خوش ہوں" زارا نے سراٹھا کر کہا۔ جواز رد کر دیا گیا تھا۔

زارا یہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

علی آفندی اپنا سر پکڑ کر رہ گئے۔

وہ صبح سے اپنے کمرے میں بند تھا۔ آج وہ ہاسپٹل نہیں گیا تھا۔ وہ زارا کو اوایڈ کر رہا تھا۔

اس کا دماغ ماضی کی سوچوں سے جکڑا ہوا تھا۔

وہ اس وقت بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اور کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

جیھی کمرے کا دروازہ کھلا اور کوئی اندر آیا اور اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ ولی نے ان کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ ان کی موجودگی سے واقف تھا۔

"ولی بیٹا کچھ کھالو" مسز احمد نے پیار سے کہا۔ ولی نے کل رات سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔

"آج تم ہاسپٹل نہیں گئے" مسز احمد نے ایک اور کوشش کی۔ جواب نادر۔

"اچھا یہ بتاؤ آج کھانے میں کیا بنواؤں۔ تم اپنی مرضی بتادو" مسز احمد نے آخری کوشش کی۔ کوئی جواب نہیں آیا۔

وہ مایوس ہو کر جانے لگی تو ولی کو آواز ابھری۔

"وہ جانتی ہے" اس نے سوال کیا۔ نظریں ابھی بھی کھڑکی کی طرف تھیں۔ "کیا۔ کون۔ کس بارے میں" مسز احمد اس کے اچانک سوال پر سمجھ نہ پائی۔

"وہ زارا۔ کیا وہ جانتی ہے کہ آپ نے اور انکل نے ہمارا رشتہ پکا کر دیا ہے" اس نے وضاحت کی۔

"ہاں۔ لیکن وہ راضی نہیں ہے۔ مگر بھائی صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ اسے منالے گے" مسز احمد نے بتایا۔

"میری طرح" اب اس نے ان کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

ان آنکھوں میں بہت تکلیف تھی۔

مسز احمد کے دل کو کچھ ہوا۔

"بیٹا ہم تو تم لوگوں کی بھلائی چاہتے ہیں" مسز احمد نے کہا۔

"خوش ہو جائے میں راضی ہوں اس نکاح کے لیے" ولی نے کہا۔

مسز احمد کو لگا انہوں نے کچھ غلط سنا ہے۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔ ایک دم تمہارا فیصلہ کیسے بدلا" انہوں نے پوچھا۔  
 "کل رات میرے خواب میں زارا آئی تھی۔ زارا خان۔ اس نے میرے سے وعدہ لیا کہ میں موو آن کر لو"  
 ولی نے بتایا۔

مسز احمد کو بہت خوشی ہوئی۔  
 "میں ابھی بھائی صاحب کو فون کر کے خوش خبری سناتی ہوں" وہ خوش می سہ کہہ کر جانے لگی تو ولی کی آواز  
 آئی۔

"آج کھانے میں بریانی بنوالیں" وہ اس کی بات سے اور حیران ہوئی۔  
 "ہاں ضرور میرا بیٹا" وہ کہہ کر کمرے سے چلی گئی۔  
 ان کے جانے کے بعد ولی نے دوبارہ سر بیڈ کراؤن سے لگا لیا اور کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

عمر نے حیا کو کینٹین میں اکیلے بیٹھے دیکھا تو اس کی طرف چلا آیا۔  
 "تم یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہو" اس نے کہا اور اس کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھ گیا۔  
 "کچھ نہیں" روتی آواز میں جواب آیا۔

"تم رورہی ہو" عمر نے فکر مندی سے پوچھا۔  
 "نہیں تو" اس نے گیلی سانس اندر کھینچ کر جواب دیا۔

"ادھر دیکھو میری طرف" عمر نے کہا۔  
 حیا اس کی طرف دیکھا تو عمر عبید کو دھچکا لگا۔  
 رونے کی باعث اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں اور ناک لال ہوا تھا۔  
 "یہ کیا حالت بنائی ہوئی ہے تم نے اپنی" عمر نے سوال کیا۔

"وہ" حیا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"تم مجھ سے شیئر کر سکتی ہو۔ ہم دوست ہیں۔ میرا بھروسہ کرو" عمر نے پیار اور اعتماد سے کہا۔

"وہ بتایا ابو۔ ان کے برین میں ٹیو مر ہے" کہہ کر حیا ایک بار پھر رونے لگ گئی۔

"یار تو نہیں۔ مجھے شروع سے ساری بات بتاؤں" عمر نے کہا۔ اور اسے ٹشو دیا۔

حیا نے ٹشو پیپر سے آنسو صاف کیے اور عمر کو سب بتایا۔

"تم فکر مت کرو سب ٹھیک ہو جائے گا" عمر نے تسلی دی۔

"کیسے۔ زارا آپنی بہت ہرٹ ہوئی ہیں۔ میں نے آج ان کی آنکھوں میں یہ تکلیف بہت سال بعد دیکھی

ہے" حیا کے لہجے سے زارا کے لیے محبت صاف ظاہر تھی۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ یہ ہمارے اللہ کا فرمان ہے۔ پھر تم مایوس کیسے ہو

سکتی ہو" عمر نے اسے سمجھایا۔

"بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے" حیا نے کہا۔

اب وہ پہلے سے بہتر محسوس کر رہی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

حیا نے اسے دیکھ کر دل میں سوچا "تم ایسے ہی مجھے ہمت دیتے ہو، ہنس دیتے ہو، تم کتنے اچھے ہو۔"

"آؤں کافی پیتے ہیں" عمر کی آواز نے اسے سوچوں سے نکالا۔

"ہاں" حیا نے کہا۔

رات کافی گہری ہو چکی تھی۔ زارا اپنے روم سے باہر آئی۔ اسے ٹینشن تھی کہ بابا کی طبیعت ٹھیک ہو گی کہ نہیں۔

اس نے اس وقت لائیٹ بیلو شلوار قمیض پہنی تھی۔ اس کی کالے لمبے بال آزاد تھے۔

اس نے علی آفندی کے کمرے کے باہر پہنچ کر دیکھا کہ ان کے کمرے کا دروازہ ادکھلا تھا۔ اور روشنی باہر تک آرہی تھی۔

وہ دستک دے کر اندر گئی۔ علی آفندی بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔  
زارا کو دیکھ کر اٹھ گئے۔

"زارا بیٹا تم ابھی تک سوئی نہیں" انہوں نے پوچھا۔  
زارا خاموشی سے آئی اور ان کو گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔  
اس کے لمبے بال زمین کو چھو رہے تھے۔

وہ ایسے ہی جب اداس ہوتی تھی تو علی آفندی کی گود میں سر رکھ کر لیٹ جاتی تھی۔  
علی آفندی اس کی اس حرکت پر مسکرائے اور نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔  
"کیا ہوا ہے میری پری کو" انہوں نے شفقت سے پوچھا۔  
"بابا مجھے ڈر لگ رہا ہے" زارا نے کہا۔ ایک آنسو اس کو آنکھ سے نکلا اور بالوں میں جذب ہو گیا۔  
"میری بیٹی تو نہیں ڈر سکتی۔ میری بیٹی بہت بہادر ہے وہ ہر مشکل کا سامنہ کر سکتی ہے" انہوں نے پیار سے کہا۔

"لیکن اب آپ کی بیٹی تھک گئی ہے بابا۔ بہت زیادہ" زارا نے روندھی آواز میں کہا۔ آنسو مسلسل اس کو آنکھوں سے بہ رہے تھے۔

"نہیں بیٹا ایسے نہیں کہتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو ہی آزمائش میں ڈالتا ہے۔ اور میرا رب کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ نہیں آزماتا" انہوں نے محبت سے سمجھایا۔

"کیا اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کرتے ہیں بابا۔ مجھے لگتا ہے وہ مجھ سے ناراض ہے تبھی میرے ساتھ ایسا ہوتا ہے" زارا نے سوال کیا۔ کسی معصوم بچے کی طرح۔

"اللہ تعالیٰ جس سے ناراض ہوتے ہیں اسے اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ اللہ اس سے ناراض ہے" انہوں نے الٹا اس سے سوال کیا۔

"بابا سب ٹھیک ہو جائے گا" زارا نے بچوں کی طرح سوال کیا۔  
 "ہاں میری پیاری بیٹی سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سب ٹھیک کر دے گے" انہوں نے اسے تسلی دی

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بابا آپ کی سرجری ہوگی اور آپ ٹھیک ہو جائے گے" اب اس نے جوش سے پوچھا۔

"انشاء اللہ میری بیٹی" انہوں نے جواب دیا۔  
 زارا اب بہت ہلکا محسوس کر رہی تھی۔

"بیٹا اسے میری آخری خواہش سمجھ کر قبول کر لو۔ ولی سے نکاح کر لو۔ اب تو ولی نے بھی ہاں کر دی ہے" انہوں نے بہت آس سے پوچھا۔  
 "اگر آپ کو ولی پر یقین ہے اور آپ اس سے خوش ہیں تو میں راضی ہوں" زارا نے کہا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔  
 "بیٹا اللہ تمہیں خوش رکھے۔ دیکھنا ایک دن تمہیں احساس ہوگا کہ میرا انتخاب صحیح ہے" انہوں نے خوشی سے کہا۔

اور پھر ولی احمد اور زارا آفندی کا نکاح تین دن بعد بروز جمعہ کو طے پایا گیا۔ نکاح کا فنکشن سادگی سے آفندی ہاؤس میں رکھا گیا اور خاص لوگوں کو بلایا گیا۔

## نکاح کا دن

آفندی ہاؤس میں سالوں بعد خوشی کا موقع آیا تھا۔ ہر طرف نکاح کی تیاریاں روادوا تھی۔ زارا اپنے روم میں دھلن کا لباس پہن کر بیٹھی تھی۔ میکپ آرٹس اس کا میکپ کر رہی تھی۔ زارا نے آف وائٹ رنگ کی میکس پہنی تھی۔ جس پر گالڈن تیلے کا کام ہوا تھا۔ گھیرے پر لگا گالڈن پیچ ڈریس کو اور اٹھا رہا تھا۔ زارا نے اس کے اوپر گالڈن حجاب کرنا تھا۔

"آپی آپ کا ڈریس کتنا پر بیٹی ہے" حیا نے خوشی سے کہا۔

حیا تیار بیڈ پر بیٹھی تھی۔ اس نے بلیک لانگ فرائیڈ پہنا تھا۔ بال کھلے تھے اور لائٹ میکپ میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

"تھینک یو حیا" زارا اس وقت یہی کہہ سکتی تھی۔

اس کے اندر کیا چل رہا تھا وہی جانتی تھی۔ کانوں میں آج بھی عامر سکندر کے الفاظ گونج رہے تھے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

ولی اپنے کمرے میں تیار کھڑا تھا۔ اس نے وائٹ شلوار قمیض پہنی تھی۔ وہ امریکہ میں عید کے دن شلوار قمیض پہنتا تھا۔ اور آج کے دن اس نے مسز احمد کے کہنے پر پہنی تھی۔

"واہ میرا بھائی تو بہت ڈیشننگ لگ رہا ہے" عمر نے کمرے میں آتے ہوئے کہا۔

عمر نے کالے رنگ کی شلوار قمیض پہنی تھی۔

"ماشاء اللہ نظر نہ لگے میرے بیٹوں کو کتنے خوبصورت لگ رہے ہیں" مسز احمد نے اپنے دونوں بیٹوں کو

پاکستانی لباس میں دیکھا تو دعا دی۔

"ارے آج تو تم کمال لگ رہی ہو سارہ" عمر نے شرارت سے کہا۔



جس پر مسز احمد ہنسنے لگی۔

ان سب میں ولی کو اپنا آپ بہت عجیب لگ رہا تھا۔ زارا کی آخری جھلک آج بھی اس کے ذہن میں محفوظ تھی۔

"چلو بچوں نکاح کا ٹائم ہو گیا ہے۔ دیر نا ہو جائے" مسز احمد نے کہا۔

حمید آفندی نکاح کے لیے گھر سے نکلنے لگے تھے جب پیچھے سے انہیں ماہ نور کی آواز آئی۔  
 "میں بھی ساتھ جاؤں گی" ماہ نور پنک فراک پہنے تیار کھڑی تھی۔ لیکن اس کے چہرے پر موجود شیطانی مسکراہٹ حمید آفندی دیکھ سکتے تھے۔

"تم کہیں نہیں جا رہی۔ بھائی صاحب نے تمہیں نہیں بلایا" انہوں نے منع کیا۔  
 "میں پوچھ نہیں رہی بتا رہی ہوں۔ میں جاؤں گی" ماہ نور نے کہا اور ان کے سامنے سے گزر کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

حمید آفندی اس کی خدسری پر افسوس کر کے رہ گئے۔  
 "یا اللہ خیر خیریت سے زارا کا نکاح ہو جائے" انہوں نے آسمان کی طرف دیکھ کر دعا کی اور گاڑی میں جا کر بیٹھ گئے۔

زارا اور ولی آمنے سامنے صوفے پر بیٹھے تھے۔ زارا کے اوپر لال دوپٹے کا گھونگھٹ تھا۔ ان دونوں نے ابھی تک ایک دوسرے کو دیکھنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ وہ دونوں ہی اپنے اپنے دماغ میں جنگ لڑ رہے تھے۔

مولوی صاحب نے پہلے زارا سے اس کی رضامندی پوچھی۔

"تم نے دیکھا ہے خد کو۔ یہ حجاب۔ یہ پاکیزہ بننے کا ڈرامہ۔ میں عامر سکندر ہوں۔ ابھی میں اتنا پاگل نہیں ہوا کہ ماہ نور کو چھوڑ کر تم جیسی لڑکی سے شادی کروں گا"

عامر کا شیطانی لہجہ زارا کے ذہن میں گونجا۔

"اپنی شکل دیکھو زارا، کتنی شکست ہے اس پر میں بچپن سے یہیں دیکھنا چاہتی تھی"

ماہ نور کے سفاک الفاظ اس کے ذہن میں گونجے۔

مولوی صاحب نے دوبارہ پوچھا۔

علی آفندی نے زارا کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"بولو بیٹا" انہوں نے کہا۔

"قبول ہے" زارا آفندی نے رضامندی دے دی۔

ساری آوازیں آنا بند ہو گئی۔

مولوی صاحب نے دو دفعہ اور پوچھا اور اس نے رضامندی دے دی۔

اسے مولوی صاحب نے جہاں جہاں سائن کرنے کا کہا اس نے کر دیے۔

اسے حیرانی ہوئی کہ اس کے ہاتھ نہیں کانپے۔

امولوی صاحب نے ولی سے رضامندی مانگی تو وہ ہوش میں آیا۔

"قبول ہے" ولی احمد نے بھی رضامندی دے دی۔

زارا خان کی آخری جھلک، اس کا خون سے لت پت وجود، اس کو باتے۔ سب پیچھے رہ گیا۔

اب ولی سائن کر رہا تھا۔

سب کچھ روبوٹک انداز میں ہو رہا تھا۔

سب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

اب سب ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے۔

علی آفندی نے زارا کے سر پر پیار کیا۔ اور پھر ولی کو گلے لگایا۔

مسز احمد نے زارا کا سر چوما اور اسے مٹھائی کھلائی۔

زارا کو وہ مٹھائی کڑوی لگی تھی اپنی زندگی کی طرح۔

ولی اور زارا کو ایک ساتھ صوفے پر بیٹھا دیا گیا تھا۔ زارا کا گھونگھٹ اٹھا دیا گیا تھا۔ اب سب ان دونوں کو مبارکباد دے رہے تھے۔ ان دونوں نے ابھی تک ایک دوسرے کو دیکھنے کا گناہ نہیں کیا تھا۔

"ویسے تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو آج" عمر نے حیا کے کان میں کہا۔  
وہ دونوں پلر کے پاس کھڑے تھے۔

"تھینک یو۔ آپ بھی پاکستانی ڈریس میں اچھے لگ رہے ہیں" حیا نے کہا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"اب جب ولی اور زارا کا نکاح ہو گیا ہے تو آپ کا ہمارے بارے میں کیا خیال ہے" عمر نے موقع پر چوکا مارا۔

"جی میں سمجھیں نہیں" حیا بلاش کر رہی تھی۔ اسے نہیں پتہ تھا عمر اتنی جلدی اس سے کہہ دے گا۔

"آئی لو یو حیا۔ کیا تم مسز عمر عبید بنو گی" عمر نے حیا کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔

اس کی آنکھوں میں صرف محبت تھی۔

اور یہاں حیا آفندی کی دنیا رک گئی تھی۔

"گھر والوں کو منالے" کہہ کر حیا وہاں سے بھاگ گئی۔

"مان گئی۔ یس مان گئی" عمر کی تو خوشی کا ڈھکنا نہیں تھا۔

اور ادھر حیا آفندی کی دل کی دھڑکن نہیں سمجھ رہی تھی۔  
 "اے اللہ تیرا شکر ہے" اس نے دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔

مسز احمد زار اسے باتیں کر رہی تھی۔ زار کے سوالوں کا مختصر جواب دے رہی تھی۔ جب اس نے ہیل کی مخصوص ٹھک ٹھک سنی۔

"ہیلو زار۔ میرا انٹروڈکشن نہیں کرواؤں گی اپنے شوہر سے" ماہ نور کی آواز آئی۔  
 وہ پھر آگئی تھی زار کا تماشنا بنانے۔

"بیٹا یہ کون ہے" مسز احمد نے زار سے پوچھا۔

زار کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"میں بتاتی ہوں آنٹی میں" ابھی وہ بول ہی رہی تھی کہ ولی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"مجھے پتہ ہے۔ مئی یہ زار کی کزن ہے۔ حیا کی بڑی بہن۔ ماہ نور آفندی اوہ سوری ماہ نور سکندر۔ تمہارا شوہر نہیں آیا" ولی نے آخر میں اسے چوٹ کی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"زار اتم نے ہمارے نکاح میں ماہ نور کے شوہر کو انوائیٹ نہیں کیا" ولی نے زار سے سوال کیا۔

زار کچھ کہہ نہ سکی۔ وہ پھر سے اس کی ڈھال بن گیا تھا۔ ایک بار پھر اس نے زار کو زلیل ہونے سے بچا لیا۔

"بیٹا آپ میرا شوہر اللہ آپ کے ہسبنڈ کیونہیں آئے" مسز احمد نے بھی پوچھ لیا۔

اور یہاں ماہ نور کا صبر جواب دے دیا۔ اس نے ولی کو دھمکانے کے انداز میں انگلی دیکھائی جسے وہ خاطر میں نہیں لایا۔ اور وہاں سے چلی گئی۔

"ارے عجیب بات ہے اسے کیا ہوا" مسز احمد کو عجیب لگا۔

"آپ چھوڑے آنٹی وہ ایسی ہی ہے" زار نے کہا۔

"اچھا میں زرا مہمانوں کو دیکھ لوں" کہہ کر وہ چلی گئی۔  
 "اس نے تمہیں دھمکی دی ہے اس کا مطلب وہ ضرور کچھ الٹا کرے گی" زارا نے پریشانی سے ولی کو کہا۔  
 یہ پہلی بات تھی جو وہ دونوں ہفتے بعد کر رہے تھے۔  
 "مجھے کسی سے ڈر نہیں لگتا۔ اسے پتہ ہونا چاہیے کہ میرے ہوتے ہوئے وہ تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتی" ولی نے اعتماد سے کہا۔

"تھینک یو سو میچ ولی" زارا نے آنکھوں میں آنسو لیے کہا۔  
 "تمہیں کتنی دفعہ کہا ہے میرا شکریہ نہ ادا کیا کرو" ولی نے کہا۔  
 اس نے اب اس پر غور کیا تھا۔ آف وائٹ اور گولڈن کمبینیشن کے لباس میں دلہن کے روپ میں وہ انتہا کی خوبصورت لگ رہی تھی۔

"یو آر کو کنگ پریٹی" ولی نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔  
 زارا کے منہ پر مسکراہٹ آئی۔ آج کے دن میں زارا پہلی دفعہ مسکرائی تھی۔  
 "تھینکس" وہ اتنا ہی کہ سکی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"چلے آپ دونوں سہاگل کرے آپ کی پکس لینی ہیں" حیانے آکر کہا۔  
 پیچھے سے عمر بھی آگیا۔

"ارے تم دونوں کیا کنبو سی سے مسکرا رہے ہو۔ کھل کر مسکراؤں" عمر نے کہا۔  
 جس پر وہ دونوں سہاگل کرنے لگے۔  
 اب پکس کے ساتھ ان کی نوک جھوک چل رہی تھی۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ ہر طرف اندھیرا پھیلا تھا۔ آفندی ہاؤس کی تقریب خیریت سے ختم ہو چکی تھی۔ سب مہمان جا چکے تھے۔ بس حمید آفندی اور حیا ابھی تک روکے تھے۔

حمید آفندی اور علی آفندی اس وقت لاؤنچ میں چاہئے پی رہے تھے۔

"بھائی میں زارا کے لیے بہت خوش ہوں۔ ولی بہت اچھا لڑکا لگا ہے مجھے" حمید آفندی نے کہا۔

"شکر ہے اللہ کا۔ بس اللہ دونوں کو خوش اور آباد رکھے" علی آفندی نے دعا دی۔

"آمین۔ بھائی صاحب آپ کی بیماری کا کیا بنا" حمید آفندی نے فکر مندی سے پوچھا۔ انہیں کچھ دن پہلے ہی پتہ چلا تھا۔

"بس یار ڈاکٹر کہتے ہیں کہ سرجری ہوگی۔ ابھی ایک اور ڈاکٹر کے پاس ریفر کیا ہے جو سرجری کرے گا۔ اس کے پاس دو دن بعد اپائنٹمنٹ ہے" علی آفندی نے تفصیل بتائی۔

"اللہ تعالیٰ آپ کو صحت دے بھائی" حمید آفندی نے دعا کی۔

وہ اس وقت اندھیرے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی تھی۔

"تمہیں تو میں نہیں چھوڑوں گی ولی احمد۔ تم نے ٹھیک نہیں کیا" وہ یہ الفاظ مسلسل دہرا رہی تھی۔

اس کے شیطانی دماغ میں اس کا پلین گھوم رہا تھا۔

اس نے اپنے فون پر ایک نمبر ڈائل کیا۔

"مجھے ولی احمد کی ساری انفارمیشن چاہیے۔ اس کی پک میں نے تمہیں سینڈ کر دی ہے۔ یہ سٹی ہسپتال میں نیورولوجسٹ ہے اور امریکہ سے آیا ہے۔ مجھے اس کا سارا ماضی جاننا ہے"

اس نے اگلے کی بات سننے بغیر ہی کال کاٹ دی۔

"اب تم لوگوں کا کیا ہو گا زارا اور ولی"

"ہاہا" اس کا سفاک قہقہا پورے کمرے میں گونجا۔

وہ دونوں اس وقت زارا کے بیڈ پر لیٹی تھی۔

زارا نے پرپل شلوار قمیض پہنی تھی اور اس کے بال کچھ گیلے تھے اور کچھ سوکھے۔ وہ تھوڑی دیر پہلے شاور لے کر آئی تھی۔ اس نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی ہوئی تھی۔

حیا نے بلیک شلوار قمیض پہنی تھی جو اس نے زارا سے لی تھی۔ وہ تکیے کا سہارا لے کر بیڈ پر لیٹی تھی۔  
"یار آپ مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آرہا" حیا زارا کو عمر والی بات بتا چکی تھی۔ وہ زارا سے سب شیئر کرتی تھی۔  
ابھی بھی وہ اسی کی بات کر رہی تھی۔

"تو یقین کر لو مس حیا" زارا نے مسکرا کر کہا۔ وہ حیا کے لیے بہت خوش تھی۔

"آپی آپ کو کیا لگتا ہے سب مان جائیں گے" حیا نے اپنا کب سے دھرانے والا سوال پھر دہرایا۔  
"یار کتنی دفعہ کہا ہے سب مان جائیں گے۔ نہ چچا اتنے ٹیپیکل ہیں اور نہ ہی آنٹی" زارا نے اتنی دفعہ کی دی جانے والی تسلی اسے پھر دی۔  
BEING THE STRING OF YOUR K

"آچھا آپ بتائیں آپی آپ خوش ہیں" حیا نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ مجھے کوئی فیلنگ نہیں آرہی۔ شاید میں فیلنگ لیس ہو گئی ہوں" زارا نے کندھے اچکا کر کہا۔  
"ایسا نہیں ہے۔ نکاح میں بہت طاقت ہوتی ہے۔ آپ کو بہت جلد ولی بھائی سے محبت ہو جائے گی" حیا نے یقین سے کہا۔

"پتہ نہیں" زارا نے کہا۔

وہ دونوں اس وقت ٹیرس میں چیر زپر بیٹھے تھے۔

"تم نے حیا کو ڈائریکٹ بول دیا۔ ایمپریسو" ولی نے کہا۔

"تم ہی مجھے ہلکا لیتے ہو۔ ورنہ میں بہت کمال کا ہوں" عمر نے فرضی کالر جھاڑ کر کہا۔

"ہاں ہاں پتہ ہے۔ لیکن میں دل سے خوش ہو تمہارے لیے" ولی نے محبت سے کہا۔

"میرا چھوڑوں تم اپنا بتاؤں۔ تم ٹھیک ہو" عمر نے فکر مندی سے کہا۔ وہ ولی کو بہت اچھے سے جانتا تھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔ تم پریشان نہ ہو" ولی نے اسے تسلی دی۔

"ولی ہم 9 سال سے ایک ساتھ ہیں میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں تم بہت

ڈسٹرب ہو" عمر نے کہا۔

جس پر ولی کے چہرے پر اداس مسکراہٹ آئی۔

کبھی کبھی ہم ایک انسان کے نہ ہونے سے کتنی ناشکری کر دیتے ہیں اور بھول ہی جاتے ہیں کہ ہمارے پاس

محبت کرنے والے اور بھی لوگ موجود ہیں۔ سچ کہتے ہیں کہ انسان بڑا ہی ناشکر ہے۔

"او بھائی کیا سوچ رہے ہو" عمر چٹکی بجا کر ولی کو اس کی سوچوں سے باہر لایا۔

"کچھ نہیں یار۔ میں واقع میں ڈسٹرب ہوں مجھے کچھ ٹائم دو میں نارمل ہو جاؤں گا" ولی نے کہا۔

"اب لگا ہے نہ میرا بھائی۔ بس یہی ہو پھر رکھنی ہے خد میں پھر دیکھی سب سیٹ ہو جائے گا" عمر نے خوشی

سے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ اب میں سونے جا رہا ہوں صبح ہاسپٹل بھی جانا ہے" ولی کہہ کر اٹھ گیا۔

"ہاں جاؤں سو جاؤں" عمر نے کھلے دل سے اجازت دی۔



آج کی صبح کافی خوشگوار تھی۔ سٹی ہسپتال میں زارا اور ولی کے نکاح کی خبر پھیل گئی تھی۔ یہ کام بھی حیا اور عمر کا تھا۔ انہوں نے زارا اور ولی کے نکاح کی پکس ہسپتال کے وٹس ایپ گروپ میں سینڈ کر دی تھی۔ صبح سے ہر کوئی زارا اور ولی کو نکاح کی مبارک باد دے رہے تھے۔

اس وقت وہ چاروں کینیٹن میں موجود اپنے مشترکہ ٹیبل پر بیٹھے تھے۔ لیکن آج وہاں کا ماحول بالکل الگ تھا۔

حیا اور عمر طوطا مینا بنے تھے اور زارا اور ولی بہت او کو رڈ فیل کر رہے تھے۔  
 "آف یار کیا مصیبت ہے مجھے اتنا عجیب کیوں لگ رہا ہے یہ آج تو میں اسے زلیل بھی نہیں کر سکتی" زارا نے چائے پیتے ہوئے سوچا۔

"یار یہ آج مجھ سے لڑکیوں نہیں رہی ہائے وہ بھی کیا دن تھے جب ہم بلا جھجک لڑتے تھے" ولی نے دماغ میں سوچتے ہوئے آہ بھری۔

"یار آج اتنی خاموشی کیوں گانز" عمر نے سب سے پوچھا۔  
 BEING THE STRING OF YOUR KITE  
 "پتہ نہیں تم ہی بتادو" زارا نے کہا۔

"ولی بھائی آپ بتائیں کل آپ کیسی لگ رہی تھی" حیا نے ولی سے پوچھا۔ جس پر زارا نے اسے گھوری سے نوازا۔

"اچھی لگ رہی تھی" ولی نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔  
 "بس اچھی یار ولی تم کب سیکھو گے مینز اب تو تم بیوی والے ہو" عمر نے ولی کو احساس دلایا۔  
 "تو میں نے ایسا کیا کہ دیا ہے" ولی کو اس کی سمجھ نہیں آئی۔

"سٹوپ اٹ گانز تم لوگ اب یہ نکاح والا ٹوپک ختم کردو" زارا نے حتمی انداز میں کہا۔

"میڈم یہ کوئی ٹوپک نہیں ہے آپ لوگوں کی لائف ہے۔ تم دونوں کو اب اسے سیریس لینے کی ضرورت ہے you guys are husband wife now try to understand" عمر نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

جس پر وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

وہ سہی کہ رہا تھا وہ دونوں کل سے اس بات کو نظر انداز کر رہے تھے۔ وہ اس بات کو تسلیم نہیں کر دیے تھے۔

"عمر سہی کہ رہے ہیں آپ دونوں اس بات کو تسلیم کر لے کے اب آپ دونوں کا نکاح ہو گیا ہے۔ آخر کب تک آپ دونوں نظریں چراتے رہے گے" حیانے کہا۔  
اب وہاں مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔

زارا اپنا نٹمنٹ کا بہانا بنا کر وہاں سے چلی گئی اور ولی کال کا کہہ کر چلا گیا۔  
"آخر انہیں کب سمجھ آئے گی" حیانے افسوس سے کہا۔  
"آجائے گی وقت کے ساتھ نکاح میں بہت طاقت ہوتی ہے" عمر نے اسے تسلی دی۔

وہ اس وقت ٹیرس میں بیٹھی تھی۔ شام کے وقت وہاں کا موسم کافی خوشگوار لگ رہا تھا۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھی۔

زارا نے اس وقت ریڈ فرائڈ کے ساتھ وائٹ ٹائٹس پہنی تھی۔ اور ٹھنڈ کی وجہ سے شال لپیٹی تھی۔ اس کے بال ہوا کی وجہ سے لہرا رہے تھے۔

زارا جب سے گھر آئی تھی تب سے اس کے دماغ میں عمر اور حیا کے الفاظ گونج رہے تھے۔

"یہ سب کتنا عجیب اور مشکل ہے" اس نے چر کر کہا۔  
 "آخر کیسے میں ایک دم سے اس اندھے کو اپنا شوہر مان لوں" اس نے کہا اور پھر خدی یہ سوچ کر ہنسنے لگی کہ  
 اگر ولی یہ سن لیتا تو کتنا لڑتا۔  
 "لیکن اب تو وہ واقع میں میرا شوہر ہے" اس نے رونے والے انداز میں کہا۔  
 تبھی علی آفندی وہاں آئے اور اس کے سامنے والی چیئر پر بیٹھ گئے۔ ان کے ہاتھ میں مجھ کا غذا تھے۔  
 "بیٹا تم یہاں اکیلی بیٹھی کیا کر رہی ہو" انہوں نے پوچھا۔  
 "موسم کافی اچھا ہے اس لیے یہاں بیٹھی ہوں۔ یہ کون سے پیپر ز ہیں" زار نے بتایا اور ساتھ ہی سوال بھی  
 کر دیا۔

"میرا کل اپائنٹمنٹ ہے ڈاکٹر فرحت نے مجھے اس ڈاکٹر کے پاس ریفر کیا ہے۔ یہ تمہارے ہاسپٹل کا ڈاکٹر  
 ہے۔ اس لیے میں تمہارے پاس لے آیا۔ میری عینک ٹھیک ہونے لگی ہے اس لیے مجھ سے پڑھانہیں  
 جارہا" انہوں نے تفصیل سے بتایا۔  
 "اچھا دیں میں دیکھتی ہوں" زار نے کہ کر پیپر زدیکھے۔  
 جیسے جیسے وہ پڑھتی گئی اسے شدید حیرانی نے گھیر لیا۔  
 "کیا ہوا زارا تم اس ڈاکٹر کو جانتی ہو" انہوں نے پوچھا۔

"جی اور آپ بھی۔ آپ کا داماد ہے۔ ڈاکٹر ولی احمد" زار نے دانت پیس کر کہا۔  
 "ارے یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اب تو میں بے فکر ہوں" انہوں نے خوشی سے کہا۔  
 "بہت خوشی ہو رہی ہے آپ کو۔ بہت پیار ہو گیا ہے آپ کو اپنے داماد سے" زار نے جل کر کہا۔  
 "ارے اس میں غصے کی کیا بات ہے وہ تمہارا شوہر ہے" انہوں نے ہنس کر کہا۔  
 "شوہر شوہر شوہر میرے کان پک گئے ہیں سن سن کر" کہہ کر وہ غصے سے وہاں سے چلی گئی۔

پچھے سے علی آفندی زور سے ہنسنے لگے۔  
 "یہ آج کل کے بچے بھی" انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

احمد ہاؤس میں اس وقت سب کھانا کھا رہے تھے۔  
 "ولی کیسار ہا آج کا دن۔ تم نے زارا کے ساتھ ٹائم سپنڈ کیا" مسز احمد نے ولی سے پوچھا۔  
 "ممی میں ہاسپٹل جاب کرنے جاتا ہوں آپ کی بہو کو ڈیٹ پر لے جانے نہیں" ولی نے جل کر کہا۔  
 "تو اس میں کیا برائی ہے زارا تمہاری بیوی ہے تمہارا فرض ہے اس کو ٹائم دینا اور اسے جاننے کی کوشش کرنا"  
 "مسز احمد نے اسے سمجھایا۔

"For God sake mummy"

آپ سب لوگ ہمیں سمجھانے میں کیوں لگے ہو۔ آپ میرا ماضی اچھے سے جانتی ہیں۔ ابھی نکاح کو دن کتنے  
 ہوئے۔ خدا کے لیے مجھے کچھ وقت دے۔ میں آلریڈی بہت ڈسٹرب ہوں۔ please" ولی نے آخر میں  
 درخواست کی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

بھوری آنکھوں میں بہت تکلیف تھی۔  
 وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔

"اب کیا ہو گا عمر" اس کے جانے کے بعد مسز احمد نے پریشانی سے عمر سے کہا۔  
 "سب ٹھیک ہو جائے گا ممی آپ بس اسے وقت دے" اس نے تحمل سے کہا۔

وہ غصے سے اپنے کمرے میں ابھی بھی برابر ہی تھی جب کمرے کے دروازہ پر دستک دے کر سکینہ بی بی  
 اندر آئی۔

"زارا بی بی یہ آپ کے لیے پارسل آیا ہے"

"میرے لیے اس وقت" اس نے کہہ کر گھڑی دیکھی جہاں 12 بج رہے تھے۔

"پتہ نہیں بی بی" وہ کہہ کر پارسل صوفے کے پاس موجود ٹیبل پر رکھ کر چلی گئی۔

وہ ایک بڑا سا ڈنہ تھا۔ جیسے اس میں کافی بڑی چیز موجود ہو۔ اس کو خاکی رنگ کے کورسے پیک کیا گیا تھا۔

اس پر بڑا بڑا سا only for Zara لکھا تھا۔

"یہ کون بھیج سکتا ہے۔ اس پر تو دینے والے کا نام بھی نہیں لکھا" زارا کو تجسس ہوا۔

ایک ایسا ہی ڈبہ ولی احمد کی ٹیبل پر بھی موجود تھا۔ اس پر بھی بڑا بڑا سا only for Wali لکھا تھا۔

"یہ کون بھیج سکتا ہے۔ اور نام بھی نہیں بتایا" ولی بھی اتنے ہی تجسس میں تھا۔

زارا نے سائنڈ ٹیبل کے دراز سے کٹر نکالا اور ڈبہ کے اوپر سے پیکنگ اتاری۔ وہ کالے رنگ کا ڈبہ تھا۔ زارا نے جیسے ہی ڈھکن ہٹایا۔ ڈھکن اس کے ہاتھ سے گر گیا۔

ایک زوردار چیخ اس کے منہ سے نکلی۔ اس نے فوراً اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر چیخ روکی۔

یہ حالت اس وقت ولی کی تھی۔ وہ کھلے ڈبہ کے پاس کھڑا تھا۔ اور حیرانی سے اندر کا منظر دیکھ رہا تھا۔

اس ڈبہ میں ایک خوفناک سی ٹوٹی ہوئی گڑیا تھی۔ جس کی ایک آنکھ غائب تھی۔ اس کے کپڑے خون آلود تھے۔ گڑیا کے ارد گرد خون پھیلا تھا۔ گڑیا کے اوپر خون سے بھرا ہوا ایک انویلیپ موجود تھا۔

زارا نے کانپے ہاتھوں سے اس انویلیپ کو پکڑ کر کھولا۔ اس میں ایک چھوٹا سا کاغذ تھا جس پر سرخ رنگ کے مارکر سے لکھا ہوا تھا

By the time you realize what's happening, you'll be begging for death

یہ الفاظ پڑھ کر زارا آفندی کا پورا جسم لرز گیا۔

ولی نے پریشانی سے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔

زارا نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر قدم قدم پیچھے ہٹتی گئیں۔

ولی کا دماغ کام کرنا شروع ہو گیا تھا۔ اس نے فوراً اپنا فون پکڑا اور اس ڈبہ کی اور کاغذ کی تصویریں کھینچی شروع کی۔

زارا کو کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا کرے اس نے فوراً ان سب کی تصویریں کھینچی اور ولی کو سینڈ کی۔ ولی نے کب زارا کا مسیج اوپن کیا تو وہ تصویریں دیکھ کر اسے شدید حیرانی ہوئی۔ اس نے بھی اپنی کھینچی ہوئی تصویریں زارا کو سینڈ کی۔

زارا نے جیسے ہی وہ پکس دیکھی تو وہ حیران رہ گئی۔

اس نے فوراً ولی کو کال کی۔

جب ولی کی آواز ابھری۔

"زارا تم ٹھیک ہو" آواز میں فکر مندی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"نہیں۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی یہ کون کر سکتا ہے۔ ولی تم نے دیکھا وہ باکس کتنا خوفناک ہے" زارا نے اضطراب سے کہا۔

"ہاں۔ لیکن اس میں خون نہیں ہے پینٹ ہے" ولی نے کہا۔

"بیوقوف مجھے بھی پتہ ہے یہ پینٹ ہے۔ لیکن یہ جو کوئی بھی ہے اس نے پینٹ کے ذریعے خون کو

ریپرزنٹ کیا ہے" زارا نے سمجھداری سے کہا۔

"لیکن تم ڈرونہ کچھ نہیں ہوگا" اس نے اعتماد سے کہا۔

"پر ولی مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے" زارا نے اور پریشانی سے کہا۔

"میں آجاؤں تمہارے پاس" اس نے پوچھا۔

"ارے نہیں۔ سب پوچھے گے۔ ولی تم پلیز اس کا بابا کونا بتانا وہ پہلے ہی بیمار ہیں اور ٹینشن لے لے گے" زارا نے فوراً کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے تم فکر مت کرو۔ تم اپنی کھڑکی دروازے لاک کر کے سو جاؤں" اس نے اسے احتیاط بتائی۔

-

"اس باکس کا کیا کرنا ہے" زارا نے پوچھا۔

"اسے کہیں چھپا دو" ولی نے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے صبح اسے ڈسکس کرے گے" زارا نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

ولی نے زارا کو تو تسلی دے دی تھی لیکن اسے ابھی بھی فکر ہو رہی تھی۔

"آخر کون کر سکتا ہے یہ" اس نے خد کلامی کی۔

"کیا ایک Mystery box آپ دونوں کو سیم ٹائم پر ملا۔ واقعی تو کسی مووی کی طرح لگ رہا ہے" حیانے آکسائیڈ منٹ سے کہا۔

وہ چاروں اس وقت اپنے مشترکہ ٹیبل پر موجود تھے۔

انہوں نے سارا واقع عمر اور حیا کو بتا دیا تھا۔ اور وہ اسے انجوائے کر رہے تھے۔

"یار تو نے مجھے کیونہیں اٹھایا میں اس کی پکس اپنے انسٹاگرام پر اپلوڈ کرتا۔ کتنے فالورز آجاتے" عمر نے افسوس سے کہا۔

"یار تم لوگوں کو یہ سب اچھا لگ رہا ہے" ولی نے حیرانی سے پوچھا۔

"کسی نے ہمیں جان سے مارنے کی دھمکی دی ہے" زار نے کہا۔  
 "ارے یار ہمیں تم لوگوں کی بہت فکر ہے" عمر نے مذاق سے ہٹ کر کہا۔  
 "لیکن یہ کر کون سکتا ہے" حیا نے سوچتے ہوئے کہا۔  
 "یہی تو میں ساری رات سوچتی رہی" زار نے پریشانی سے کہا۔  
 "مجھے تو پاکستان آئے پانچ مہینے ہوئے ہیں۔ میرے سے کس کی دشمنی ہو سکتی ہے" علی نے بھی سوچتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کسی کی ولی سے امریکہ میں دشمنی ہو اور اب وہ پاکستان آ کر تمہارے ساتھ زار کو بھی تنگ کر رہا ہے۔ ویسے بھی یہ حرکت ہالیووڈ فلموں والی ہے" عمر نے اپنی رائے دیں۔  
 "یہ بھی ہو سکتا ہے کوئی سیریل کلر زار آپنی کا دیوانہ ہو اور اب ان کے ساتھ ولی بھائی کو بھی تھریڈ کر رہا ہو" حیا نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔  
 ان دونوں کی باتیں سن کر ولی اور زار نے افسوس سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ جیسے ان کا کچھ نہیں ہو سکتا۔  
 "کونسی فلم دیکھی ہے تم دونوں نے" ولی نے پوچھا۔  
 "ولی انہیں رہنے دو ہمیں خد ہی کچھ کرنا پڑے گا" زار کہہ کر اٹھ گئی۔  
 "ہاں چلو" کہہ کر ولی بھی زار کے ساتھ چلا گیا۔  
 "ہماری بات کی کوئی اہمیت ہی نہیں" حیا نے صدمے سے کہا۔  
 "میرا تو دل ہی ٹوٹ گیا" عمر نے دکھ سے کہا۔

آج دوپہر علی آفندی کا ولی کے پاس اپائنٹمنٹ تھا۔  
 اس وقت وہ تینوں ولی کے روم میں بیٹھے تھے۔



ولی ان کا چیکپ کر چکا تھا۔ اب وہ انہیں ہدایات دے رہا تھا۔

"انکل آپ کی سرجری آج سے 10 دن بعد 05 مارچ کو ہوگی۔ آپ کو pre surgery medicines سرجری سے پانچ دن پہلے شروع کرنی ہے" ولی نے بتایا۔ ساتھ ساتھ وہ نوٹ پیڈ پر لکھی بھی جا رہا تھا۔

"نیکسٹ اپائنٹمنٹ کب ہے" زارا نے پوچھا۔

"نیکسٹ تم ان کو پانچ دن بعد لے آنا۔ ابھی میں انکل آپ کو پانچ دن کی میڈیسن دے رہا ہوں۔ جب آپ پانچ دن بعد آئے گے تب میں آپ کو pre surgery medicine شروع کروادوں گا" ولی نے کہہ کر نوٹ پیڈ کا صفحہ پھاڑ کر زارا کو دیا۔

"بیٹا مجھے سرجری سے کتنے ٹائم پہلے ہاسپٹل ایڈمٹ ہونا ہے" علی آفندی نے پوچھا۔

"ایک دن پہلے انکل" ولی نے مسکرا کر جواب دیا۔

"بہت شکریہ تمہارا ولی۔ بھابھی کیسی ہیں" انہوں نے خوش دلی سے کہا۔

"ارے شکریہ کی کوئی بات نہیں۔ مئی بلکل ٹھیک ہے" ولی نے مسکرا کر کہا۔

"چلے بابا اب ہم چلتے ہیں" زارا کہہ کر اٹھ گئی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"ہاں چلو بیٹا۔ اچھا بر خودار پھر ملتے ہیں" علی آفندی ولی کے سر پر پیار کر کے دروازے کی طرف بڑھے۔

زارا بھی جانے لگی جب ولی نے زارا کو روکا۔

"زارا مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے" کہہ کر ولی ٹیبل کی طرف سے نکل کر زارا کی طرف آگیا۔

"میں بابا کو بھیج کر آتی ہوں" زارا کہہ کر باہر گئی۔

کچھ منٹ بعد وہ واپس کمرے میں آئی۔

"تم نے کیا کہنا ہے" زارا نے پوچھا۔

"میں نے اس مسئلے کا ایک حل نکالا ہے" ولی نے کہا۔ وہ اس وقت میز سے ٹیک لگا کر کھڑا تھا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا زارا کو دیکھ رہا تھا۔

"کیسا حل" زارا نے پوچھا۔

"مجھے پاکستان آئے پانچ مہینے ہوئے ہیں۔ اس لیے میں یہاں زیادہ کسی کو نہیں جانتا۔ لیکن میں جب امریکہ میں جا کر تا تھا تو وہاں ایک آدمی پاکستان سے آیا تھا۔ اس کے یہاں پر بہت لنک ہے" ولی نے بتایا۔

"تو تمہیں لگتا ہے وہ ہماری مدد کرے گا" زارا نے پوچھا۔

"وہ ہمیں ایسے لوگوں کا بتائیں گا جو ہماری مدد کریں۔ میں نے اس سے بات کی ہے۔ اس نے مجھے ایک ایسے انسان کا بتایا ہے جس کے پاس ہر مسئلہ کا حل ہوتا ہے" ولی نے تفصیل سے بتایا۔

"وہ کون ہے جس کے پاس ہر مسئلہ کا حل اور وہ ہمارا کام کیوں کرے گا" زارا نے سوال کیا۔

"پیسہ۔ اس انسان کی صرف ایک کمزوری ہے پیسہ۔ وہ ہماری مدد پیسوں کے لیے کرے گا" ولی نے اس کے بارے میں بتایا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"کیا نام ہے اسکا" زارا نے پوچھا۔

"مراد ابرہیم" ولی نے کہا۔

"وہ ہمیں کہا ملے گا" زارا نے اگلا سوال پوچھا۔

"وہ کل دوپہر ہم سے ریسٹورنٹ میں ملنے آئے گا" ولی نے بتایا۔

"اچھا ٹھیک ہے ہم کل اس سے مل لے گے" زارا کہہ کر چلی گئی۔

آج صبح سے موسم کافی ٹھنڈا تھا۔ جبکہ فروری کے آخر میں ٹھنڈک کم ہوتی ہے۔  
ولی تیار ہو کر ہاسپٹل کے لیے جا رہا تھا۔ اس نے آج بیک جینز کے ساتھ گول گلے والا سویٹر پہنا تھا۔  
وہ جیسے ہی گاڑی کے پاس پہنچا تو ایک خاکی رنگ کا اینولپ اس کی گاڑی کے فرنٹ مرر کے اوپر پڑا تھا۔  
اس نے اچھنبے سے اس اینولپ کو پکڑ کر کھولا تو اس کے اندر ایک کاغذ تھا جس پر لال مار کر سے لکھا تھا

By the time you realize what's happening, you'll be begging for death

ولی نے غصے سے اس کاغذ کو مرو مرو کر اپنی جیب میں ڈالا اور اسی غصے سے گاڑی سٹارٹ کی۔  
"Who the hell is this bloody shit" اس نے غصے سے سٹیرنگ پر ہاتھ مارا۔  
"آخر یہ سامنے کیونہیں آتا۔ اسے لگتا ہے کہ یہ ایسے مجھے ڈرا سکتا ہے۔ چھوڑو گا نہیں"  
وہ شدید الجھن میں تھا۔

Safar-e-Adab

حیا اور لائبہ آفندی اس وقت لاؤنچ میں تھیں۔ حیا ہاسپٹل کے لیے نکل رہی تھی۔  
"حیا تم کچھ کھا تو لیتی" انہوں نے فکر مندی سے کہا۔  
"مما میں کیفے سے کچھ کھا لو گی" حیا نے یقین دلایا۔  
"وعدہ کرو مجھ سے" وہ حیا کی کھانے سے بھاگنے والی عادت سے اچھے سے واقف تھی۔  
"اچھا۔ حیا کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔

جب دل خراش چیخے حمید آفندی کے گھر میں گونجی۔  
"ہائے ماہ نور کیونچ رہی ہے" لائبہ آفندی نے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا۔  
حیا ماہ نور کے کمرے کی طرف بھاگی۔ لائبہ آفندی بھی اس کے پیچھے بھاگی۔  
وہ دونوں جیسے ہی ماہ نور کے کمرے میں پہنچی تو سامنے کا منظر واضح ہوا۔

ماہ نور سر پکڑ کر چیخ رہی تھی اور اس کے سامنے ایک ڈبہ موجود تھا جس میں خون آلود ٹوٹی ہوئی گڑیا موجود تھی۔

لائبہ آفندی نے فوراً ماہ نور کو باہو میں بھرا۔ کس سے اس نے رونا شروع کر دیا۔

حیا نے دھڑکتے دل کے ساتھ ڈبہ میں موجود اینولپ پکڑ کر کھولا۔

"اس میں کیا لکھا ہے حیا" لائبہ آفندی نے پوچھا۔

"By the time you realize what's happening, you'll be begging for death"

"مما مجھے کوئی مارنے کی دھمکی دے رہا ہے۔ اب کیا ہو گا" ماہن نور نے خوف سے کہا۔

"یہ کون کر سکتا ہے" انہوں پریشانی سے کہا۔

"مما کچھ دن پہلے ایسا ہی پارسل زارا آپنی اور ولی بھائی کو بھی رسیو ہوا ہے" حیا نے انہیں بتایا۔

"اوہ میرے خدا یا کون میرے بچوں کی جان کا دشمن ہے" انہوں نے فکر مندی سے کہا۔

"آپ پریشان نہ ہوں ماہ نور آپنی سب ٹھیک ہو جائے گا" اس نے تسلی دی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"یعنی تم یہ کہہ رہی ہو کہ تمہاری بہن کو بھی وہ پارسل ملا ہے" عمر نے کہا۔

وہ چاروں اپنی مشترکہ جگہ پر بیٹھے تھے۔

"تمہیں وہ اینولپ گاڑی سے ملا اور مجھے اپنے روم سے جب میں ہاسپٹل آئی" زارا نے کہا۔

"وہ شخص ایک ہی بات کہہ رہا ہے By the time you realize what's happening, you'll be begging for death"

آخر کیا مطلب ہے اس کا" ولی نے سوچتے ہوئے کہا۔

"جب تک آپ کو احساس ہو گا کہ کیا ہو رہا ہے، آپ موت کی بھیک مانگ رہے ہوں گے" عمر نے کہا۔  
 "یعنی ہمارا دشمن ہمارے آس پاس ہی ہے اور جب تک ہم اسے ڈھونڈے گے تب تک وہ۔۔۔" زارا نے سمجھتے ہوئے کہا۔

"آخر کون ہے ہمارا دشمن" ولی نے کہا۔

"وہ جو بھی ہے بہت تیز ہے" حیا نے کہا۔

"اب ایک ہی شخص ہماری مدد کر سکتا ہے چلو زارا" ولی کہہ کر اٹھ گیا۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہ تم لوگوں کی مدد کر سکتا ہے" عمر نے سوال کیا۔

"پتہ نہیں لیکن اس وقت ہمیں کسی پر یقین کرنا ہو گا" ولی سنجیدگی سے کہا۔

وہ ریسٹورنٹ میں بیٹھے اسکا ویٹ کر رہے تھے۔  
 "تمہارے دوست نے کیا بتایا ہے اس کے بارے میں" زارا نے پوچھا۔

"ساہل نے بتایا ہے کہ مراد ابرہیم کے پیرنٹس کی وفات بچپن میں ہی ہو گئی تھی۔ اس نے ہاسپٹل میں پڑھائی کی وہی سے ماسٹرز کیا اور پھر پاکستان انٹیلیجنس ایجنسی میں بھرتی ہو گیا۔ ابھی حال ہی میں اس نے ایک مشن مکمل کیا ہے اور اب آج کل اس کی چھٹیاں ہے جس میں یہ ہماری مدد کر سکتا ہے" ولی نے تفصیل سے آگاہ کیا۔

"وہ بھی پیسوں کے لیے" زارا نے اضافہ کیا۔

"لو وہ آگیا" ولی کے کہنے پر زارا نے اس کے تعاقب میں دیکھا۔

وہ شخص قریب آ رہا تھا۔ اس نے بلیک جینز پر بلیک لیڈر جیکٹ پہنی تھی۔ اس کے بال بھی کالے تھے اور اس کی آنکھیں ان کا رنگ زارا سے پہچانا نہیں جا رہا تھا۔ لیکن جب اس نے ان کے پاس آ کر کرسی کھینچ کر بیٹھا تو اس کی آنکھوں کا رنگ واضح ہوا۔ وہ سیاہ آنکھیں تھیں۔ جیسے ساری دنیا کی سیاہی ان میں شامل ہو۔

"میں مراد ابرہیم اور تم لوگ" اس نے پوچھا۔ بات کرتے ہوئے اس کے چہرے پر ڈمپل پر تاتھا۔

"میں ولی احمد ہوں اور یہ میری بیوی زارا آفندی ہے" اس کے ان الفاظوں پر زارا نے چونک کے ولی کو دیکھا۔ وہ کتنے حق سے اسے اپنی بیوی مان رہا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی ذات سے زارا کو عزت دیتا تھا۔

"تم دونوں کی شکلیں دیکھ کر تو نہیں لگتا کہ تم دونوں نے کسی کا کچھ بگاڑ ہو گا" ماد نے ان کی ساری کہانی سن کر کہا۔

"ہماری کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ کون کر رہا ہے" زارا نے کہا۔

"تم دونوں کے پاس اس Mystery box کی کوئی تصویر ہے" ماد نے پوچھا۔

"ہاں یہ دیکھو" ولی نے فوراً اپنا فون اس کی طرف کیا۔

ماد سنجیدگی سے ایک ایک تصویر زوم کر کے دیکھ رہا تھا۔

"یہ دیکھو یہ نوٹ مجھے آج صبح میری گاڑی سے ملا ہے" ولی نے کہہ کر وہ کاغذ مراد کو دیا۔

"By the time you realize what's happening, you'll be begging for death"

مراد نے وہ الفاظ دہرائے۔

"تم لوگوں کا کام میں کر دوں گا لیکن پہلے پیسوں کی بات کرو" مراد نے فون اور کاغذ ٹیبل پر رکھ کر کہا۔

"تمہیں کتنے پیسے چاہیے" زارا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ابھی تم لوگوں نے میرا ایک گھنٹہ لیا ہے اس کا 15 ہزار اور ایڈوانس 50 ہزار اور کام ختم ہونے کے بعد 5 لاکھ۔ ٹوٹل 6 لاکھ" مراد نے حساب لگا کر بتایا۔

"ابھی کے 15 ہزار کیو اور یہ 35 ہزار ایکسٹرا کیو ڈالے ہے" ولی نے پوچھا۔  
 "یار تم لوگوں نے مجھے ٹپ تو دینی تھی تو میں نے خدی ایڈ کر دی" مراد نے مسکرا کر کہا۔  
 "مل جائے گے۔ بس ہمارا کام مکمل کرو" زار نے کہا۔

مراد نے فوراً جیسے ایک کاغذ نکالا اور ان دونوں کے آگے رکھا۔  
 "اس پر سائن کرو"

"یہ کیا ہے" ولی نے پوچھا۔

"مراد ابراہیم کوئی کام کانٹریکٹ کے بغیر نہیں کرتا" اس نے کہا اور پین ان کے سامنے کیا۔  
 ان دونوں نے سائن کر دیا۔

"اب ہم کام کی شروعات کرتے ہیں۔ مجھے تم دونوں پر اس جگہ جہاں روز جاتے ہو وہا جانا ہے" مراد نے  
 پروفیشنل انداز میں کہا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"گھر اور ہاسپٹل۔ ہم یہی روز جاتے ہیں" ولی نے کہا۔

"ٹھیک ہے تمہارے گھروں سے شروع کرتے ہیں" اس نے کہا۔

"ہمارے گھروں میں زیادہ لوگ نہیں ہیں۔ زار کے ساتھ اسکے بابا اور میرے ساتھ میری ماں اور بھائی۔  
 وہ لوگ ایسا کچھ نہیں کر سکتے" ولی نے اعتماد سے کہا۔

"اچھا پھر ہاسپٹل سے کرتے ہیں۔ میں کل تم لوگوں کو ہاسپٹل میں ملتا ہوں" مراد نے کہا اور جانے کے  
 لیے اٹھ گیا۔

"خدا حافظ" زار نے کہا۔

جس کا جواب وہ سر کے خم سے دے کر چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد ولی بولا۔

"تمہیں فوراً نہیں ماننا چاہیے تھا مجھے تو وہ فراڈ لگ رہا تھا"

"تم باہر کی کنٹری سے آنے والے کو ہر پاکستانی فراڈ کیو لگتا ہے" زار نے اس کی طرف رخ کر کے سوال کیا۔  
- بھوری بادامی آنکھوں میں غصہ تھا۔

"ارے میرا وہ مطلب تھوڑی تھا۔ تم ایک سٹرینجر کے لیے اپنے شوہر سے لڑ رہی ہو" ولی نے حیرانی سے کہا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت واضح تھی۔

"شوہر رر" زار نے زور دے کر دہرایا۔

"اس میں حیرانی کی کیا بات ہے ہمارا نکاح ہوا ہے" ولی نے کندھے اچکا کر کہا۔

"مجھے تو لگا تھا تم اس نکاح سے خوش نہیں ہو لیکن یہاں تو کچھ اور لگ رہا ہے" اس نے کہا۔

ولی کچھ سیکنڈ کے لیے خاموش ہو گیا۔ "یہ میں اتنا نارمل کیو ہوں۔ کیا میں زارا کو بھول رہا ہوں" اس نے سوچا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

زار نے اس کے آگے چٹکی بجائی

"کیا ہوا مسٹر کہا غائب ہو گئے" زار نے ہنس کے پوچھا۔

ولی اپنی سوچوں سے باہر آیا تو ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"ہمیں اب چلنا چاہیے بہت دیر ہو گئی ہے" ولی کہہ کر باہر کی جانب چلا گیا۔

"اسے کیا ہو گیا" اس نے خد کلامی کی۔



لاہور میں آج کافی اچھا موسم تھا۔ خزاں کا موسم شروع ہو گیا تھا۔ کچھ دن میں بارشیں شروع ہونے والی تھیں۔

اس وقت سورج مغرب کی طرف جا رہا تھا۔ ایسے میں آسمان ایک طرف سے نارنجی اور دوسری طرف سے سفید ہو رہا تھا۔

گاڑی مین روڈ پر روا تھی۔ گاڑی میں مکمل خاموشی تھی۔

جب زار نے اس خاموشی کو توڑا۔

"تمہیں میری کوئی بات بری لگی ہے"

"نہیں کیو" اس نے سوال کیا۔

"تم ایک دم سے خاموش ہو گئے اس لیے" اس نے کہا۔

"تمہیں کب سے میرے ناراض ہونے سے مسئلہ ہونے لگا" اس نے پھر سوال کیا۔

"یہ تم میرے ہر سوال کے جواب میں سوال کیوں کر رہے ہو" زار نے غصے سے کہا۔

"اچھا یا غصہ نہ کرو یہ بتاؤں آئس کریم کھاؤں گی" ولی نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"نہیں مجھے کچھ نہیں کھانا" زار نے غصے سے کھڑکی کی طرف منہ کر لیا۔

"اچھا نا I'm sorry" اس نے معذرت کی۔

دوسری طرف سے جواب نہیں آیا۔

"زار اکیلا ہو گیا ہے یار۔ اچھا تم کیا چاہتی ہو مجھ سے" اس نے پوچھا۔

"تم مانو گے" سوال کیا گیا۔

"جی بیگم" جواب آیا۔

"تم بات کرتے کرتے کہا غائب ہو جاتے ہو۔ تمہارا کیا پاسٹ ہے۔ میں جاننا چاہتی ہوں" سوال کیا گیا۔

"تمہارا بھی تو پاسٹ ہے تم نے بھی تو مجھے کبھی ڈیٹیل سے نہیں بتایا" ولی نے کہا۔

"میں ہر بات بتانے کے لیے تیار ہوں" زارا نے اعتماد سے کہا۔

جس پر ولی کے چہرے پر ایک مسکراہٹ آئی۔

"مجھے کچھ نہیں جاننا۔ تم میری بیوی ہو۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تمہارے ماضی سے۔ تم جب چاہوں میں

تمہیں سننے کے لیے تیار ہوں" اس نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔

اور زارا اسی کو دیکھتی رہ گئی۔

"میں تمہیں ایک بات کلیئر کر دوں میرا فرض ہے تمہارا غم بانٹنا کہ تم سے تمہارا ماضی سن کر تمہیں اذیت میں مبتلا کرنا۔ تم جب دل ہلکا کرنا چاہو تب مجھ سے سب شیئر کر سکتی ہو۔ اور ہاں میاں بیوی کے تعلق میں شیئرنگ ہوتی ہے انکوئری نہیں" وہ بہت نرم لہجے میں بول رہا تھا۔ ایک نرم مسکراہٹ اس کے چہرے پر تھی۔

زارا اسے کسی خواب کی طرح دیکھ رہی تھی۔

"شکریہ ولی" اس نے تشکر سے کہا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"یار تم مجھے شکریہ نہ کہا کرو" ولی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

اس سے پہلے زارا کچھ کہتی ایک زوردار آواز آئی۔ ان کی گاڑی کو دھچکا لگا۔

"ولی" زارا چلائی۔

"شٹ کوئی ہماری گاڑی پر فائرنگ کر رہا ہے" اس نے پریشانی سے کہا۔

گولیوں کی آوازیں تیز ہو رہی تھیں۔ تیز ہارن کی آوازیں۔

"زارا تم نیچے بیٹھو جلدی" ولی چلایا۔

وہ فوراً سیٹ کے نیچے موجود جگہ پر بیٹھ گئی۔

"ولی اب کیا ہو گا" زارا نے ڈرتے ہوئے کہا۔  
 "کچھ نہیں ہو گا میں فون کر رہا ہوں پولیس کو" ولی نے کہا۔  
 گاڑی ایک دم رک گئی۔  
 گولیاں ابھی بھی چل رہی تھی۔  
 "گاڑی کیورو کی" زارا نے پوچھا۔  
 "گاڑی کے چاروں ٹائر پر انہوں نے شوٹ کر دیا ہے گاڑی نہیں چل رہی" ولی نے پریشانی سے کہا۔  
 "ولی وہ دیکھو" زارا نے سامنے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔  
 ولی نے اس کے تعاقب میں دیکھا۔

سامنے ایک ہیوی بانیک پر ایک لڑکا موجود تھا۔ اس نے بلیک جینز پر بلیک لیڈر جیکٹ پہنی تھی اس پر بلیک ہیلیمٹ پہن رکھا تھا۔ وہ بانیک روک کر اب بانیک سے اتر رہا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں موجود گن سے فائرنگ کی۔ ان گنت گولیوں کی وجہ سے پیچھے موجود گاڑی الٹ کر پیچھے کی جانب گری۔  
 پولیس کے سائرن کی آوازیں قریب آرہے تھی۔ ولی اور زارا گاڑی سے باہر نکل آئے۔  
 پولیس اب وہاں پہنچ چکی تھی۔

پولیس کی جیپ سے آفیسر باہر آئے۔  
 اس نے اپنا ہیلیمٹ اتارنا تو وہ دونوں حیران ہو گئے۔

"مراد ابرہیم" زارا نے کہا۔

"تم یہاں" ولی نے پوچھا۔

"مسٹر ولی اس گاڑی میں کوئی نہیں ہے وہ لوگ بھاگ گئے ہیں" پولیس آفیسر نے اطلاع دی۔

"پر وہ مراد ابرہیم سے نہیں بھاگ سکتے" مراد نے کہا۔

"آپ کون ہیں اور کیا آپ کے پاس شوٹنگ لائسنس ہے" پولیس آفیسر نے پوچھا۔  
 "جی میں کیپٹن مراد ابرہیم یہ میرا کارڈ ہے" اس نے اپنے والٹ سے ایک کارڈ نکال کر آفیسر کے ہاتھ میں دیا۔

اسے دیکھ کر آفیسر نے مراد کو سیلوٹ پیش کیا۔  
 "کیسے ہیں آپ سر" اس نے کہہ کر کارڈ واپس کیا۔  
 "میں ٹھیک بس آپ اس گاڑی کی انکوائری کرے" مراد نے رعب سے کہا۔  
 "اوکے سر" آفیسر نے کہتے ہی سب اہلکاروں کو کام پر لگا دیا۔  
 "تم یہاں کیسے آئے" زارار نے تفتیش سے پوچھا۔  
 "تم زارارائٹ۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہم نے کانٹریکٹ سائن کیا تھا جس کے مطابق تم دونوں کو میں اس میس سے نکالوں گا" اس نے نارمل انداز میں جواب دیا۔  
 "اور تمہیں کیسے پتہ چلا کہ ہم کہاں ہیں اور مشکل میں ہیں" ولی نے پوچھا۔  
 "دیکھو گا تم میرے کام کرنے کے کچھ طریقے ہیں اور کچھ سیکرٹس بھی جو میں شتر نہیں کرتا" اس نے شانے آچکا کر کہا۔

زارافون کان سے لگا کر دوسری طرف چلی گئی۔  
 "پھر بھی مراد تمہارا شکریہ" ولی نے مسکرا کر کہا۔  
 "وہ تم لوگ پیسوں سے ادا کر سکتے ہو" اس نے ہنس کر کہا۔  
 "میں نے ڈرائیور کو بلا لیا ہے وہ پانچ منٹ میں آ رہا ہے" زارار نے آکر کہا۔  
 "اچھا گاڑی اب میں بھی چلتا ہوں" کہہ کر وہ اپنا ہیلمٹ پہن کر بائیک سٹارٹ کر کے چلا گیا۔  
 "میں مینک کو بلا لو گاڑی ٹھیک کروانی ہے" ولی نے کہہ کر فون کان سے لگا دیا۔

آج موسم میں ہلکی سی گرمی محسوس ہو رہی تھی۔ مارچ شروع ہونے والا تھا اور سردیاں اب جا رہی تھیں۔ صبح کی تازگی ہر سو پھیلی تھی۔ چریوں کی چھہاٹ ماحول میں خوشگوار کر رہی تھی۔ خزاں کا موسم کافی دلکش نظارہ دے رہا تھا۔

آفندی ہاؤس میں دیکھا جائے تو وہ اس وقت ہاسپٹل جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ زارا نے آج سفید ٹائٹس پر سفید کلیو والا فرائ پہنا تھا جو اس کے گودوں کو چھوتا تھا۔ اس کے اوپر پہننے کے لیے سکن کلر کا لانگ سویٹر اور لائٹ پنک حجاب بیڈ پر پڑا تھا۔

وہ اس وقت اپنے بالوں کا جوڑا بنا رہی تھی جب اس کے فون پر کال آئی۔ سکریں کی روشن جگمگاتی سکریں پر اس کا نام ابھر رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر فون کا سپیکر آن کر کے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا۔ جب فون سے اس کی آواز ابھری۔

"اسلام علیکم زوجہ محترمہ" خوشگوار سے کہا گیا۔

"وعلیکم السلام یہ آج امریکی لوگ خالص اردو کیو بول رہے ہیں" مسکراہٹ دبا کر کہا۔

ساتھ ہی اس کا جوڑا بن چکا تھا۔ اب وہ حجاب کیپ پہن رہی تھی۔

"آپ نے ہم امریکی لوگوں کو بہت ہکا لیا ہوا ہے" فخر سے کہا گیا۔

"ہاہا نہیں۔ اس ٹائم فون کیا خیریت" اس نے پوچھنے کے ساتھ ہی بیڈ سے حجاب اٹھایا اور سر پر رکھا۔

"یار آپ کے دیور نے تنگ کیا ہوا ہے" کہا گیا۔

وہ اب حجاب کوپن سے سیٹ کر رہی تھی۔

"کیا کر دیا عمر نے" اس نے ہنس کر کہا۔

"کچھ کر ہی تو نہیں رہا۔ میری گاڑی کل سے شوروم میں ہے اب مجھے کچھ دن اس کے ساتھ ہاسپٹل جانا پرے گا اور جناب اٹھ نہیں رہے" اس نے معصومیت سے کہا۔

"ہا ہا ہا۔ یہ تو بہت بڑا ہوا" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ اس کا حجاب ہو گیا تھا اب وہ سویٹر پہن رہی تھی۔  
"شرم نہیں آتی شوہر کا مذاق اڑا رہی ہو" اس نے ہنسی روک کر کہا۔

"نہیں یار مذاق نہیں اڑا رہی ویسے ہی ہنسی آگئی" اس نے کہہ کر اپنی فائنل لوک شیشے میں دیکھی۔  
"ہاں پتہ ہے مجھے لو آگئے نواب" اس نے جل کر کہا۔

"چلے پھر ہاسپٹل میں ملتے ہیں" کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

وہ اپنا ستھیسٹو سکوپ اور وائٹ کوٹ اور بیگ لے کر کمرے سے نکلی جب سامنے سے اس فضل جاتا ہوا دیکھائی دیا۔

"فضل دین آپ اس وقت کیا کر رہے ہیں" اس نے پوچھا۔

"بی بی صاحب کی رات سے طبیعت خراب ہے۔ یہ ان کے لیے گرم پانی لے جا رہا ہوں دوائی دینی ہے" انہوں نے بتایا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

فضل دین سکینہ بی کا بیٹا تھا۔ وہ انیس بیس سال کا کم عمر لڑکا تھا۔ وہ علی آفندی کا پرسنل ملازم تھا۔ ان کی دوائی سے لے کر کھانے کی ذمہ داری اس کی تھی۔ بیماری کے دنوں میں وہ ان کے کمرے میں سوتا تھا۔

زارا فوراً علی آفندی کے کمرے میں گئی۔

وہ بستر پر پسمرد حالت میں موجود تھے۔ ان کا رنگ پیلا ہو گیا تھا اور آنکھوں کے نیچے ہلکے پرگے تھے۔  
دن بہ دن ان کی صحت خراب ہو رہی تھی۔

"بابا آپ کی طبیعت خراب تھی آپ نے مجھے کیوں نہیں بلایا" زارا نے فکر مندی سے کہا۔  
 "کچھ نہیں ہوا مجھے تم پریشان نہ ہو" انہوں نے تسلی دی۔

"کیونکہ کچھ نہیں ہوا۔ بی بی رات سے انہی 101 بخار ہے اور سر میں درد نہیں جا رہا۔ ہم نے کئی بار کہا ڈاکٹر باجی کو بلا لیتے ہیں۔ یہ منع کرتے رہے" فضل دین نے اپنی زبان میں ساری بات بتادی۔ جس پر علی آفندی اسے گھورتے رہ گئے۔

لیکن وہ بھی فضل دین تھا کسی سے نہیں ڈرتا تھا۔

"بابا آپ کیو ایسے کرتے ہیں" زارا نے پریشانی سے کہا۔

"میں اب ٹھیک ہوں۔ اب میں سو گا۔ تم ہاسپٹل جاؤں آرام سے" انہوں نے یقین دلایا۔  
 "نہیں میں آپ کا خیال رکھوں گی" زارا نے کہا۔

"ارے نہیں بی بی تم جاؤں ہم ان کا خیال رکھ لے گا" فضل دین نے منع کر دیا۔  
 "لیکن" زارا کنفیوز ہوئی۔

"ہاں تم جاؤں میں ٹھیک ہوں" علی آفندی نے بھی کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں جلدی آنے کی کوشش کروں گی" اس نے کہا۔

اس نے سیٹی ہاسپٹل کے آگے بائیک روکی۔ اس نے بلیک جیکٹ اور بلیک جینز پہن رکھی تھی۔ ہیلیمٹ سر سے اتار اتو سیاہ بال ہو اسے لہرانے لگے۔ اس کی سیاہ آنکھوں نے پوری عمارت کو سکین کیا۔  
 وہ اندر گیا تو ریسپشن کے پاس ایک لڑکی کھڑی تھی جس کا رخ دوسری جانب تھا۔ وہ کوئی ڈاکٹر تھی کیونکہ اس نے وائٹ کوٹ پہنا تھا۔

”Excuse me“ مراد نے اسے مخاطب کیا۔

جس پر وہ پلٹی۔

”جی فرمائے“ اس نے پوچھا۔

لیکن کیپٹن مراد ابرہیم اسے نہیں سن رہا تھا۔ مراد ابرہیم کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کسی کی شکل اتنی کیسے مل سکتی ہے۔ وہ الٹے قدموں پیچھے ہوا۔ وہ تیزی سے باہر کی جانب بھاگا۔ وہ لڑکی پیچھے سے آواز ہی دیتی رہ گئی۔

اب وہ باہر آ کر گھرے گھرے سانس لے رہا تھا۔

”نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ ممکن نہیں ہے“ اس نے خد کلامی کی۔

”اللہ یہ کیا ہو رہا ہے“ اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

تبھی اس کا فون بجا۔ ولی کال کر رہا تھا۔

اسے اندر جانا تھا۔ BEING THE STRING OF YOUR KITE

”مجھے فوکس کرنا ہے“ اس نے تجویہ کیا۔

وہ تینوں ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ولی مراد کو لینے گیا تھا۔

”یہ ہے کیپٹن مراد ابرہیم“ ولی نے آ کر تعارف کروایا۔

”تم“ حیا نے کہا۔

جیسے ہی مراد کی اس پر نظر پڑی اسے شدید حیرانی ہوئی۔



"آف" اس نے دل میں کہا۔

"تم اسے جانتی ہو" زار نے پوچھا۔

"نہیں ابھی تھوڑی دیر پہلے یہ مجھے ملا تھا۔ پہلے مجھے بلایا اور پھر بھاگ گیا جیسے بھوت دیکھ لیا ہو" حیا نے بتایا۔

"وہ مجھے ضروری کام یاد آگیا تھا" مراد نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"خیر تم بیٹھو" زار نے اسے بیٹھنے کی پیشکش کی۔

"مراد یہ حیا ہے زار کی کزن اور یہ عمر ہے میرا بھائی" ولی نے ان کی طرف اشارہ کر کے بتایا۔

مراد نے سر ہلادیا۔

"خیر کیا اپڈیٹ ہے" ولی نے پوچھا۔

"ہم نے گاڑی کی ساری انکوائری کروائیں ہے۔ گاڑی سے کچھ خاص تو نہیں مگر دو چیزیں ملی ہیں۔ ایک گن

ہے اور دوسری ڈرائورنگ لائسنس۔ اس لائسنس کو ٹریس کرنے پر پتہ چلا ہے کہ وہ جس کی گاڑی تھی اس

شخص سے ایک مہینہ پہلے گاڑی آدھی رات کو ڈاکا مار کر چھینی گئی تھی۔ وہ لائسنس بھی اسکا تھا۔ اس شخص

نے ڈاکوؤں کی شکل نہیں دیکھی تھی اور بد قسمتی سے اس دن اس روڈ کاسی سی ٹی وی کیمرہ بھی کھڑا تھا"

اس نے سنجیدگی سے تفصیلات سے آگاہ کیا۔

"اور وہ گن۔ اس کا کچھ پتہ چلا" زار نے پوچھا۔

"نہیں لیکن اس پر اس انسان کے فنگر پرنٹس موجود ہیں۔ یعنی اگر ہم اس شخص تک پہنچ گئے تو پھر اس کے

ذریعے تم لوگوں کے دشمن تک بھی پہنچ جائے گے" اس نے بتایا۔

"ہمیں کرنا کیا ہے۔ ہم کیسے اسے ڈھونڈے گے" عمر نے پوچھا۔

"یہ دیکھوں" مراد نے اپنے فون سے انہیں کچھ تصویریں دیکھائی۔

"یہ کل کے حادثے کی سی سی ٹی وی فوٹیج ہے۔ اس تصویر میں وہ دونوں شخص بھاگتے ہوئے دیکھائی دے رہے ہیں" مراد نے کہا۔

"ان کی شکلیں تو نظر ہی نہیں آرہی۔ کیا فائدہ" حیانے مایوس ہو کر کہا۔

"آپ وہ دیکھ رہی ہیں جو وہ دیکھنا چاہتے ہیں" مراد نے مسکرا کر کہا۔

"مطلب" حیانے نا سمجھی سے پوچھا۔

"وہ جانتے تھے کہ اس روڈ کا سی سی ٹی وی کیمرہ وہ بند نہیں کر سکتے تھے اس لیے انہوں نے ہمیں اپنی بیک دیکھائی۔ لیکن دشمن کتنا بھی سمجھ دار کیونہ ہو وہ غلطی ضرور کرتا ہے" مراد نے کہہ کر اپنے فون سے ایک تصویر انکے سامنے کی۔

"یہ انہیں زوم کیا گیا ہے جس میں اس شخص کا ہاتھ دکھ رہا ہے جو جلا ہوا ہے اور اسکی چھ انگلیاں ہیں" مراد نے کہہ کر فون بند کیا۔

"واؤ تم تو بہت سمجھدار ہو" حیانے ایمپریس ہو کر کہا۔

"وہ تو مجھے پتہ ہے" مراد نے مسکرا کر فخر سے کہا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"اب یہ بتاؤں ہمیں کرنا کیا ہے" ولی نے پوچھا۔

"ہم اس شخص کو ڈھونڈنے کے" مراد نے کہا۔

"وہ کیسے" زار نے کہا۔

"یہ تو مجھے بھی نہیں پتہ" مراد آرام سے کہا۔

"تمہیں نہیں پتہ تو کسے پتہ ہے" عمر نے حیرانی سے پوچھا۔

"بھائی میرے پاس جتنا دماغ تھا میں نے لگا دیا" مراد نے سکون سے کہہ کر چائے کا کہ پکڑا۔

"مسٹر مراد ابرہیم ہم نے تمہیں پیسے مسئلہ سولو کرنے کے دیے ہیں" زار نے اسے یاد کروایا۔

مراد نے آرام سے چائے کا کہ ٹیبل پر رکھا اور سیدھا ہو کر بیٹھا۔  
 "ریلیکس ایسے کام جلد بازی سے نہیں ہوتے۔ ابھی ہم ویٹ کریں گے کہ ہمارا دشمن کچھ اور کرے۔ تب تک میں تم لوگوں کے ارد گرد نظر رکھو گا۔ کیونکہ یہ تو ہے دشمن تمہارے قریب ہے" اس سمجھایا۔  
 "اور وہ جو بھی کریں گا ہم اسے کیا کرے گے" ولی نے پوچھا۔  
 "ہم سرخ ڈھونڈے گے۔ اور ہاں تم لوگ کسی کو نہیں بتاؤں گے کہ میں کون ہوں اور کیا کرنے آیا ہوں" اس نے کہا۔

"تو ہم سب سے کیا کہے گے کہ تم کون ہو" حیانے پوچھا۔  
 "ہم کہ دے گے کہ یہ ہمارا دوست ہے اور امریکہ سے آیا ہے ہالڈیز پر" عمر نے مشورہ دیا۔  
 "ہاں یہ سہی ہے" ولی نے اس کا مشورہ قبول کر لیا۔  
 "اب مجھے کچھ کھلاؤں بھی" مراد نے کہا۔  
 "تم کھاؤں میری بریک ختم میں جارہی ہوں" زارا کہہ کر اٹھ گئی۔  
 "ہم سب کی بریک ختم تم کھاؤں اور ہاسپٹل گھوموں" عمر نے کہا۔  
 وہ چاروں اسے خدا حافظ کہہ کر وہاں سے غائب ہو گئے۔ مراد ان کی شکل دیکھتا رہ گیا۔  
 "انہیں کیا لگتا ہے میں بھی سب کچھ ادھار پر کھاؤں گا" مراد نے فیصلہ کیا۔

یہ ایک مڈل کلاس علاقہ تھا۔ جہاں ہر گلی میں دو منزلہ گھر موجود تھے۔ ان میں سے نکر والے گھر کو دیکھا جائے تو اس پر لوہے کا مہرون گیٹ لگا تھا۔ ساتھ ہی ایک تختی دیوار پر لگی تھی جس کی ایک جانب کیل لگا تھا جس کے سہارے وہ لٹکی تھی اور دوسری طرف سے جھول رہی تھی۔ اس پر کافی مٹی لگی تھی جس پر

دھندلا سا عبدل خان ہاؤس لکھا نظر آ رہا تھا۔ گیٹ کے اندرونی جانب چیسپس کے فرش والا صحن موجود تھا جس کے ارد گرد گملے موجود تھے۔

گھر کے اندر تین کمرے موجود تھے۔ جس میں سے ایک کمرے میں وہ موجود تھی۔ یہ اس کا کمرہ تھا اور وہ اس وقت لکری کے سٹڈی ٹیبل پر موجود اپنی ڈائری لکھنے میں مصروف تھی۔ کمرہ چھوٹا تھا پر اسے سادگی سے رکھا گیا تھا جسے وہ پرسکون لگتا تھا۔ کمرے میں ایک کھڑکی موجود تھی جو صحن کی طرف کھلتی تھی اس کے آگے اس کا سٹڈی ٹیبل موجود تھا۔

وہ اپنے کام میں مصروف تھی جب اسے آواز آئی۔

"عمل یہاں آؤں میری مدد کرو"

"آئی امی" وہ کہہ کر فوراً باہر چلی گئی۔

پتکھے کی ہوا سے اس کی ڈائری کے صفحے پلٹنے لگے۔ اور اس کا پہلا صفحہ کھل گیا۔ جس پر لکھا نظر آ رہا تھا کہ "میں عمل خان ہوں۔ ہم تین بہن بھائی ہیں۔ میں اور میرا بھائی ٹونس ہیں۔ میری بڑی بہن جس کی شادی ہو چکی ہے اور میرا بھائی جسے گھر میں ہر طرح کا پروٹوکول ملتا ہے۔ مجھے اپنے بہن بھائیوں سے پیار ہے اور شاید انہیں بھی۔ لیکن میں ان کے لیے اتنی خاص نہیں ہوں کہ وہ مجھے وقت دے یہ میرے بارے میں کچھ سوچے۔ میرے امی بابا مجھ سے پیار کرتے ہیں لیکن مجھے سمجھتے نہیں۔ بلکہ مجھے کوئی بھی نہیں سمجھتا۔ شاید میں اس دنیا میں کسی کے لیے بھی خاص نہیں ہوں۔ کبھی میں اس بات سے روتی ہوں تو کبھی اسے اکیسٹ کر کے مسکرا دیتی ہوں۔ اور شاید اسی کا نام ہے زندگی۔۔۔۔۔

اور پھر ہوا سے ڈائری بند ہو گئی۔

ماہ نور اس وقت ایک ریستورنٹ میں موجود تھی۔ اس کے سامنے والے شخص نے منہ جو کر کے چہرے والا فیس ماکس پہنا تھا۔

"کام ہو گیا" ماہ نور نے پوچھا۔

سامنے والے شخص نے سر ہلادیا۔

"گڈ۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ اس کے پیچھے میں ہوں کیوں کہ وہ Mystery box مجھے بھی ملاتا تھا" کہ کر وہ خد ہی ہنسنے لگی۔

"اب تمہیں پتہ ہے نہ کہ ہمیں نیکسٹ کیا کرنا ہے" اس نے پوچھا۔

جب اس جو کرنے سر ہلایا۔

ولی اور مسز احمد اس وقت گارڈن میں موجود تھے۔ وہ دونوں چائے پی رہے تھے۔

"میں کل گئی تھی بھائی صاحب سے ملنے وہ بہت کمزور ہو گئے ہیں" انہوں نے افسوس سے بتایا۔

"آج زارا بھی بتا رہی تھی کہ انکل کی رات سے طبیعت خراب ہے" ولی نے بتایا۔

"ولی بھائی صاحب کی سرجری کامیاب ہو جائیں گی نہ" انہوں نے آس سے پوچھا۔

"ان شاء اللہ مُمی۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میں نے اپنے دو سال کے اکسپیرینس میں معجزے بھی ہوتے دیکھے

ہیں اور بغیر کسی وجہ کے اموات بھی دیکھی ہیں" ولی نے کہا۔

"ان شاء اللہ ضرور اللہ بہتر کرے گا۔ اللہ بھائی صاحب کو صحت دے" انہوں نے دعا دی۔

"آمین" ولی نے کہا۔

رات کافی گہری ہو چکی تھی۔ عمر اس وقت اپنے روم میں موجود تھا۔ وہ الٹا ہو کر لیٹا تھا ایسے کہ اس کے پاؤں بیڈ کراؤن کے ساتھ لگی تھی اور اس کا منہ دوسری طرف تھا۔ وہ فون پر بات کر رہا تھا۔

"اچھا تم مجھے اب بتاؤں نہ میں ممی کو کب لے کر آؤں تمہارے گھر" اس نے پوچھا۔

دوسری طرف حیا تھی۔ وہ بھی اس وقت اپنے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ عمر کی بات پر مسکرائی۔

"ابھی کچھ ٹائم رک جائے پہلے یہ پر اہلم سولو ہو جائے" اس نے کہا۔

"یار پر اہلمس تو زندگی کا حصہ ہوتی ہیں ان کے لیے زندگی کے اہم کام تو نہیں روک سکتے" اس نے سکون سے کہا۔

"آپ تو برے فلاسفر بن گئے ہیں" حیا نے داد دی۔

"جی اور پھر یہ نہ ہو بعد میں آپ کو پچھتاوا ہو" اس نے آرام سے کہا۔

جب کہ حیا فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"اللہ نہ کرے مجھے پچھتاوا پڑے" اس نے ڈر کے کہا۔

"اس لیے تو کہ رہا ہو لیٹ نہ کرو" اس نے کہا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

جب ولی دروازہ کھول کر اندر آیا اور عمر کے پاؤں پیچھے کر کے وہاں ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"اچھا بس کرے مجھے ڈرائے نہ۔ کرتے ہیں کچھ" حیا نے کہا۔

"اچھا صبح ملتے بعد میں بات ہوتی ہے" عمر نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

"ہو گئی لیلا مجنوں کی باتیں" ولی نے کہا۔

"جی ہو گی آپ بتائیں" عمر نے سیدھے ہو کر لیٹتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں نیند نہیں آتی تھی تو یہاں آ گیا" ولی نے کہا۔

"تو زارا کو فون کر لیتے" عمر نے مشورہ دیا۔

"وہ اس ٹائم سوچکی ہوتی ہے" اس نے جواب دیا اور آنکھیں موندے لی۔

"اوہو بڑا پتہ ہے۔ بیوی کب سوتی ہے کب جاگتی ہے" عمر نے چھیڑا۔

"شٹ اپ" ولی نے بند آنکھوں سے کہا۔

"ولی تمہیں زارا سے محبت ہو گئی ہے نہ" عمر کی اس بات پر ولی نے فوراً آنکھیں کھولیں۔

"تم سے کس نے کہا" اس نے پوچھا۔

"کسی نے نہیں تمہاری کی آنکھیں ہی بتانے کے لیے کافی ہے" عمر نے یقین سے کہا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے" ولی نے کہہ کر پھر آنکھیں بند کر لی۔

"ارے کب تک بھاگو گے اپنی فیلنگس سے۔ ویسے بھی اپنی بیوی سے محبت کرنا تو ثواب ہے" عمر نے کہا۔

"میں نہیں بھاگ رہا" ولی نے بند آنکھوں سے کہا۔

"اچھا پھر قبول کیوں نہیں کرتے کہ تم زارا سے محبت کرتے ہو۔ میں جانتا ہوں تمہیں لگتا ہے کہ تم ایسے کرو گے تو تم زارا خان سے بے وفائی کرو گے۔ لیکن اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے" عمر نے سمجھایا۔

"تمہیں کیوں لگتا ہے کہ میں ایسے سوچتا ہوں" ولی سیدھا ہو کر بیٹھا اور چیلنج کے انداز میں اسے پوچھا۔

اس کے انداز پر عمر بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"مطلب" عمر نے پوچھا۔

"میں زارا خان کو پسند کرتا تھا اور میں زارا آفندی سے عشق کرتا ہوں" اس نے بڑے آرام سے کہا۔

"کیا واقعی" عمر کے منہ سے چیخ نکلی۔

"کب سے" عمر نے پوچھا۔

"اس رات سے جب وہ میرے گلے لگی تھی۔ جب اس کی بھوری بادامی آنکھیں رونے سے سرخ ہو گئی تھی۔ اسی لمحے مجھے اس سے عشق ہو گیا تھا۔ مجھے مرض عشق لاحق ہے" ولی نے محبت سے کہا۔

جس پر عمر نے تکیہ اٹھا کر اسے مارا۔

"میسنے تو کب سے اس سے محبت کرتا تھا اور رونے فضول میں ہم سب کو پاگل بنایا ہوا تھا" عمر نے غصہ سے کہا۔

"بھائی محبت ہونے میں اور اسے قبول کرنے میں فرق ہوتا ہے" ولی نے مسکرا کر کہا۔

"تم نے کب قبول کیا" عمر نے تجسس سے پوچھا۔

"میں بہت وقت اپنے احساسات سے بھاگتا رہا۔ پھر ایک دن زارا کی ایک بات نے مجھے احساس دلایا۔ اس نے کہا کہ مجھے لگتا تھا تم اس نکاح سے خوش نہیں ہو لیکن یہاں تو کچھ اور لگ رہا ہے۔ میں پوری رات سوچتا رہا اور پھر مجھے احساس ہوا کہ مجھے زارا آفندی سے عشق ہو گیا ہے" ولی نے مسکرا کر کہا۔ اسے دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس وقت بھی اسے ہی ایمنجین کر رہا تھا۔

"واہ یعنی کہ ولی احمد کو زارا آفندی سے عشق ہو گیا ہے" عمر نے پاس پڑی بوتل کو مائیک کی طرح پکڑ کر علان کیا۔

جس پر ولی ہنسنے لگ گیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"پتہ ہے عمر مجھے اب احساس ہوا ہے کہ زارا میری زندگی بن گئی ہے۔ جب تک وہ میری زندگی میں آئی نہیں تھی تب تک میں سوچتا تھا کہ آج زندگی ہے اور کل نہیں۔ میں کبھی مستقبل کا نہیں سوچتا تھا" ولی نے گہرا سانس لیا۔

"لیکن جب سے زارا میری زندگی میں شامل ہوئی ہے تب سے میں مستقبل کا سوچتا ہوں۔ اب میں جینا چاہتا ہوں زارا کے ساتھ۔ زارا نے مجھے زندگی دی ہے" ولی نے خوشی سے کہا۔

"اب تم زارا کو اپنی فیملنگس کب بتاؤں گے" عمر نے پوچھا۔

"ابھی انکل کی سرجری ہے اور یہ مسئلہ بھی چل رہا ہے۔ اس سب کے بعد بتاؤں گا" ولی نے کہا۔



"یار تم لیٹ مت کرنا" عمر نے کہا۔  
باہر رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔

دن گزرتے گئے۔ وہ پانچوں اس کیس کو حل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان دنوں کے دوران انہیں دو دفعہ تھریٹس ملی۔ مراد اب روزہ اسپتال آتا تھا۔ ہاسپٹل کا آدھا سٹاف اسے جان گیا تھا کہ وہ ولی کا دوست ہے۔ مراد کی ان سے کافی دوستی ہو گئی تھی۔ اب وہ ان سے کافی فرینک ہو گیا تھا۔ اور پھر 5 مارچ آگئی۔ علی آفندی کی سرجری کا دن۔ انہیں نہیں پتہ تھا کہ یہ دن بہت مشکل دن بننے والا ہے۔

5 مارچ:

علی آفندی کل رات سے ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھے۔ اس دورانیے میں ان کی مراد سے بہت دوستی ہو گئی تھی۔ کیونکہ زار اور ولی کے ساتھ مراد بھی کل رات سے ہاسپٹل میں رکھا تھا۔ اس وقت وہ سب ان کے روم میں موجود تھے۔ وہ ہنسی مذاق کر کے انہیں نارمل رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ MRI ہو چکا تھا اور ایک گھنٹہ بعد سرجری تھی۔

"علی صاحب آپ تو بہت ڈیشنگ لگ رہے ہیں ہاسپٹل کے بیڈ پر" مراد جو ان کے پیروں والی سائیڈ بیٹھا تھا اس نے تعریف کی۔

ایسی کی تعریفیں وہ رات سے کر چکا تھا۔

"یار تم میرا دل رکھنے کے لیے کہ رہے ہونا" علی آفندی نے پوچھا۔  
جب کہ مراد کی بات پر باقی سب ہنس رہے تھے۔

روم میں ایک تھری سیٹر صوفہ تھا جس پر حیا اور حمید آفندی اور لائبریری آفندی بیٹھے تھے۔ جبکہ زارا اور عمر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے تھے۔ اور ولی اس وقت روم میں نہیں تھا وہ سرجری کی تیاری کر رہا تھا۔  
"انکل مراد ٹھیک کہ رہا۔ اب اگر یہی کپڑے مراد کو پہنا کر بیڈ پر بیٹھا دو تو یہ یرکان کے مریض سے کم نہ لگے" عمر کی اس بات پر سب کی ہنسی نکلی۔

"جی جی اور اگر عمر کو بیٹھا دیں تو اسے دیکھ کر ڈاکٹروں نے کہ دینا ہے کہ یہ غلط جگہ ہے۔ جانوروں کا ہاسپٹل دو گلایاں آگے ہے" مراد کی اس بات پر علی آفندی کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا تھا۔

اس سارے دورانیے میں زارا بلا خاموش کھڑی تھی۔ اس خاموشی میں اس کے اندر کیا کچھ ٹوٹ رہا تھا یہ وہی جانتی تھی۔

اب وہ یہاں اور نہیں رک سکتی تھی۔ اس کے آنسوؤں اور نہیں رک سکتے تھے۔ وہ کمرے سے جانے لگی تو عمر نے پوچھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"کہا جا رہی ہو"

"کچھ کام ہے ابھی آتی ہوں" کہہ کر وہاں سے باہر آگئی۔ ابھی بھی اندر سے ہنسنے کی آوازیں آرہی تھی۔  
وہ بس خاموشی سے چلی جا رہی تھی۔ جب وہ کافی دور آگئی۔ یہ ہاسپٹل کا وہ حصہ تھا جہاں سب بہت کم آتے تھے۔

وہ خاموشی سے بیچ پر بیٹھ گئی۔ اس نے ابھی تک اپنے آنسوؤں کو نکلنے کی اجازت نہیں دی تھی۔  
اس دماغ میں بہت سے منظر گھوم رہے تھے۔ اپنی ماں کی آخری جھلک۔ اپنی محرومیاں اور اندھیرے۔  
کوئی خاموشی سے اس کے قریب آ بیٹھا۔ اس نے مر کر نہیں دیکھا جانتی تھی کون ہے۔

"تم یہاں اکیلی کیو بیٹھی ہو" خاموشی میں خلل ولی کی آواز نے ڈالا۔  
 "ویسے ہی وہاں دل گھبرا رہا تھا" زار نے جواب دیا۔  
 "ادھر دیکھو میری طرف" ولی کے کہنے پر اس نے اس کی طرف چہرہ کیا۔  
 بھوری بادامی آنکھیں اس وقت بہت تکلیف میں تھیں۔ آنسوؤں روکنے کا ضبط ٹوٹنے والا تھا۔ اس کی آنکھوں کی تکلیف دیکھ کر ولی احمد کو اپنے دل میں درد ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔  
 ولی نے نرمی سے زار کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا۔  
 "زار نے احتجاج نہیں کی۔ وہ اس حالت میں نہیں تھی۔  
 "رولو میں ہوں تمہارے ساتھ۔ ایک آنسوؤں صاف کروں گا" اس نے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑا۔  
 جب آہستہ آہستہ اس کی ہچکیاں بلند ہونے لگی۔  
 اس نے ولی کے ہاتھ پر گرفت تیز کر لی تھی۔ اور پھوٹ پھوٹ کے رونا شروع کر دیا۔  
 ولی خاموشی سے اسے تھپک رہا تھا۔  
 کافی دیر ایسے ہی گزر گئی۔ اب اس کے رونے کی آوازیں بند ہو گئی تھیں۔ وہ نڈھالی سے اس سے لپک کر بیٹھی تھی۔  
 "زار اسب کیسا فیل کر رہی ہو" جب ولی نے پیار سے پوچھا۔  
 "بہتر" اس نے زکام زد آواز میں جواب دیا۔  
 اب وہ اس سے الگ ہو کر بیٹھ گئی تھی۔  
 "تھینک یو ولی" اس نے تشکر سے کہا۔  
 "تمہیں کتنی دفعہ کہا ہے کہ میرا شکریہ نہ ادا کیا کرو" ولی نے پیار سے کہتے ہوئے اپنی جیب سے رومال نکالا اور نرمی سے اس کے آنسوؤں صاف کرنے لگا۔

وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔  
 "تم میری زارا ہو اور تم صرف لڑتے ہوئے اچھی لگتی ہو اوکے" اس کے پیر سے کہنے پر زارا نے سر ہلا دیا۔  
 ولی نے اس کا حجاب ٹھیک کیا۔

"You are my brave girl" ولی نے کہا۔

اور بیٹیچ سے اٹھ کر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔  
 "چلے مسز ولی احمد" اس کے اس نام سے پکاڑنے پر زارا نے مسکرا کر اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیا۔  
 اب وہ دونوں روم کی طرف جا رہے تھے۔ ہاسپٹل کے اس خالی بیٹیچ پر ایک اور یاد بن گئی تھی۔

سر جری شروع ہو چکی تھی۔ وہ سب آپریشن تھریٹر کے باہر انتظار کر رہے تھے۔ حمید آفندی اور لائبر  
 آفندی بیٹیچ پر بیٹھے تھے جبکہ حیا اور عمر دوسری جانب موجود بیٹیچ پر بیٹھے تھے۔ مسز احمد بھی آگئی تھی۔ وہ بھی  
 وہی بیٹھی تھی۔ زارا خاموشی سے دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ مراد دوسری طرف کھڑا تھا۔  
 اس کے دل میں یقین بھی تھا اور سو سے بھی۔ لیکن اسے حوصلہ تھا۔ یہ حوصلہ اسے اس شخص نے دیا تھا  
 جس نے ہمیشہ اس کی حفاظت کی۔

زارا کو بہت دفع سب نے کہا کہ بیٹھ جاؤں لیکن وہ اس سیٹ میں نہیں تھی۔ وہ ابھی بھی وہی تھی جب  
 تھوڑی دیر پہلے نرس نے اس سے Informed consent پر سائن کروائے تھے۔

(یہ وہ ڈاکیومنٹ ہوتا ہے جس کی بنا پر اگر مریض سر جری کے دوران مر جائے تو اس کی ذمہ داری ڈاکٹر اور  
 ہاسپٹل کی نہیں ہوگی)

اس وقت سائن کرتے وقت اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ وہ ابھی بھی اپنے ہاتھوں کی کپکپاہٹ محسوس کر سکتی تھی۔ اس نے ایک گہرا سانس لے کر خد کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

انتظار لمبا ہوتا جا رہا تھا۔ سیکنڈ منٹوں میں اور منٹس گھنٹوں میں بدل گئے تھے۔ زارا نے اب بے چینی سے ٹھلنا شروع کر دیا تھا۔ مراد بار بار کہی جاتا اور پھر واپس آ جاتا۔ عمر نے زارا کو پانی کی بوتل دی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ جیسے انتظار طویل ہو رہا تھا ویسے ویسے زارا کو اپنی دھڑکنیں مدھم ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ خاموشی طویل خاموشی تھی ہاسپٹل کے اس ویٹنگ ایریا میں۔

تین گھنٹے ہو چکے تھے۔ زارا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے والا تھا۔ جب OPT کا دروازہ کھلا۔ سب کی نظریں دروازے پر پری۔ سب اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ اندر سے ڈاکٹر ولی احمد باہر آئے۔ سرجن کے ڈریس میں۔ اس نے اپنے چہرے سے ماسک اتار دیا۔

"سرجری کامیاب ہو گئی ہے" ولی احمد کے الفاظ نے جیسے اس ویران کاریڈار میں جان بھر دی۔ "شکر ہے میرے مالک کا شکر ہے" زارا کی آنکھوں سے آنسوؤں نکلے جا رہے تھے اور زبان پر شکر کا کلمہ تھا۔

حیا نے روتے ہوئے زارا کو گلے لگایا۔ حمید آفندی کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے نم ہو گئی تھی۔

سب ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے۔ "لیکن" ولی کے اس لفظ نے گہرا سکوت قائم کر دیا۔

سب اپنی جگہ تھم گئے۔

"لیکن کیا ولی" زارا نے پوچھا۔

"انکل کو ابھی ہوش نہیں آرہا۔ اگر انہیں اگلے 24 گھنٹوں میں ہوش نہ آیا تو وہ قومہ میں جاسکتے ہیں۔ اور

قومہ سے واپس بہت کم لوگ ہی آتے ہیں" ولی نے تفصیل سے بتایا۔

"انشاء اللہ بھائی صاحب کو ہوش آجائے گا" مسز احمد نے دعا کی۔

زارا خاموشی سے بیچ پر بیٹھ گئی۔

"ہم تایا ابو سے مل سکتے ہیں" روتی ہوئی حیانے پوچھا۔

"ابھی اجازت نہیں ہے۔ اور آپ سب گھر چلے جائے یہاں صرف دو لوگوں کا رکنا الاؤں ہے" ولی نے کہا۔

-

"مما بابا اور آنٹی آپ عمر اور مراد کے ساتھ گھر چلے جائے میں زارا آپنی کے پاس رکوں گی" حیانے کہا۔

"نہیں تم بھی جاؤں میں رکوں گا" علی نے کہا۔

"یار تم سب لوگ جاؤں میں رک جاؤں گا" مراد نے کہا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"تم لوگ لڑوں نا۔ مراد تم کل رات سے یہاں ہو تم گھر جاؤں ریٹ کر لوں۔ حیا تم بھی گھر جاؤں۔ عمر

رک جائے گا یہاں" ولی نے مسئلہ حل کیا۔

رات کافی گہری ہو چکی تھی۔ باہر بارش شروع ہو گئی تھی۔

ہاسپٹل کے اس کاریڈار میں نیم اندھیرا تھا۔ وہاں صرف زارا اور عمر موجود تھے۔ سب لوگ جا چکے تھے۔

مکمل خاموشی میں صرف بارش کی آواز آرہی تھی۔

جب قدموں کی آوازان کی سمت آنے لگی۔ اب قدموں کی آوازیں رک گئی تھی۔

"تم دونوں نے کچھ کھایا ہے" ولی نے پوچھا۔

عمر نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں نے بھی نہیں کھایا۔ چلوں کینٹین چلتے ہیں" اس نے کہا اور زار کی طرف دیکھا۔ جو ایسے بیٹھی تھی

جیسے وہاں موجود ہی نہ ہو۔

"زارا چلیں" عمر نے پوچھا۔

کوئی جواب نہیں آیا۔

ولی نے آگے بھر کر اس کا ہاتھ پکڑا اور کہا "چلیں مسز"

"کہا" سوال آیا

"ڈنر پر" جواب دیا گیا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے"

"پر مجھے تو لگی ہے چلو شاباش" ولی شاعر دیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"لیکن" زارا نے کہنا چاہا۔

لیکن ولی نے اسے کھینچ کر اٹھالیا۔

"چلو" ولی نے کہا۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے لے جا رہا تھا۔

عمر بھی مسکرا کر انکے پیچھے آ رہا تھا۔

یہ ایک چھوٹے سے اپارٹمنٹ کا منظر تھا۔ وہ دو دن بعد گھر آیا تھا۔ اپنی عادت سے مجبور صفائی کر رہا تھا۔ اس اپارٹمنٹ میں دو کمرے تھے۔ ایک اس کا بیڈ روم اور دوسرے میں وہ کام کرتا تھا۔ اس میں پوری دیوار پر کمپیوٹر سسٹم لگاتا۔ وہ دیکھنے سے کسی سو فویر انجینئر کے کام کی جگہ لگتی تھی۔ کمروں کے باہر ایک چھوٹا سالونچ تھا اور سامنے اوپن کچن۔ جہاں اس وقت وہ برتن دھو رہا تھا۔ مراد نے آخری پلیٹ دھو کر اسے سٹینڈ میں لگایا اور پھر کمرے سے سلیپ صاف کرنے لگا۔ اب وہ تھک کر باہر آکر گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھا۔

"فائنلی سب صاف ہو گیا" اس نے ایک نظر پورے اپارٹمنٹ میں دیکھ کر سکون کی سانس لی۔ کیپٹن مراد ابرہیم کی یہ بات مشہور تھیں کہ وہ ایک صفائی پسند انسان ہے۔ وہ اسی صفائی سے لوگوں کا کام بھی تمام کر دیتا ہے اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا۔

"شکر ہے تم صاف ہوئے میرے سویٹ ہوم" اس نے اپنے گھر کو مخاطب کر کے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

تو آنکھوں کے سامنے ایک منظر لہرایا۔  
BEING THE STRING OF YOUR KITE  
وائٹ کوٹ پہنے لڑکی نے مڑ کر اسے دیکھا۔ اس کے بھورے بال۔ چہرے کی معصومیت۔ لہجے کا بھولا پن۔

جسے سوچ کر کیپٹن مراد ابرہیم کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

"حیا آپ نے تو مجھ جیسے انسان کے اندر محبت کا جذبہ پیدا کر دیا" اس نے اسے مخاطب کیا۔ اور پھر اپنا والٹ نکال کر دیکھا جس میں دو تصویریں لگی تھیں۔ وہ دونوں ہی ایک انسان کی لگتی تھیں لیکن دو الگ زمانوں کی۔ ایک اس کی ماں اور دوسری اس کی محبت۔



"ماں دیکھو نہ یہ بالکل تمہارے جیسی ہے۔ دیکھنے میں ہی نہیں عادتوں میں بھی اور باتوں میں بھی" اس نے مسکرا کر اپنی ماں کی تصویر سے کہا۔

"ماں تم تو مجھے چھوڑ کے چلی گئی لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ مجھے کبھی چھوڑ کے نہیں جائے گی"

"حیا میں ٹھیک کہ رہا ہوں نہ" اس نے حیا کی مسکراتی تصویر سے پوچھا۔

باہر رات ایسے ہی قطرہ قطرہ گزر رہی تھی اور ایک محبت میں دیوانہ انسان ایسے ہی تصویروں سے باتیں کر رہا تھا۔

"یہ لو پانی پی لو" ولی نے پانی بوتل زارا کی طرف برہاتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں اس وقت ہاسپٹل کے بیرونی حصہ پر موجود بیچ پر بیٹھے تھے۔ رات کے تین بج گئے تھے۔ عمر اندر سوچکا تھا۔

اور وہ لوگ باہر تھے۔ بارش کے بعد موسم کافی خوشگوار ہو گیا تھا۔ گیلی گھاس اور ٹھنڑی نم ہوائیں ماحول کو سہرا انگیز بنا رہی تھی۔ اور پھر ان پر پرتی چاند کی روشنی۔

"کیا سوچ رہی ہو" ولی نے اس سے پوچھا۔

"تمہیں پتہ ہے میں بچپن سے اکیلی ہوں۔ مجھے تو ماں باپ کا پیار بھی نہیں ملا۔ میں نے جب ہوش سنبھالی تب میں نے خد کو ایک ملازمہ کی گود میں پایا۔ سکینہ بی بی۔ وہی ہوتی تھی میرے ساتھ۔ ممبا بارات کو آفس سے لیٹ آتے تھے اور روز رات کو لڑتے تھے۔ میں ڈرتے ہوئے دروازے کے باہر سے ان کو لڑتے دیکھتی تھی۔ اور پھر "وہ دور خلا میں دیکھتے ہوئے کہ رہی تھی۔ اور ولی اسے سن رہا تھا۔ کیونکہ وہ وہاں سننے کے لیے ہی تھا

"اور پھر جب میں دس سال کی تھی تو ایک دن میں سکول سے آئی اور ماما اپنا سامان باندھ رہی تھی۔ ملازمہ میرا سامان باندھ رہی تھی۔ اور بابا غصے سے سٹڈی روم میں بندھ تھے۔ ماما مجھے ساتھ لے کر جا رہی تھی اور مجھے ان کے ساتھ نہیں جانا تھا۔ مجھے بابا کے ساتھ رہنا تھا۔ وہی تو مجھے کبھی کبھی پیار کرتے تھے۔ میں نے بابا کی سٹڈی روم کے دروازے کو بہت بجایا ان کی منتیں کی مجھے روک لے۔ انہوں نے دروازہ نہیں کھولا" اس کی آنکھوں سے آنسوؤں نکل رہے تھے۔

"ماما نے مجھے اپنے گھر لیجا کر ایک کونے میں پھینک دیا۔ وہ لیٹ رات کو گھر آتی تھی۔ میں سارا دن گھر میں اکیلی ہوتی تھی۔ سکول میں مجھے ماہ نور اور اس کی دوستیں bully کرتی تھی۔ وہ میرا راستہ روک لے تی تھی۔ کبھی مجھے کیچر میں دھکا دے دیتی۔ کبھی ٹیچر سے مار پر واتی۔ ایک دفع انہوں نے مجھے کلاس روم میں لاک کر دیا۔ اور پھر۔" اس نے اپنے آنسوؤں صاف کیے اور گھر اسانس لیا۔

اور پھر وہ اسے بتاتی گئی۔ زارا احمد نے زندگی میں پہلی بار اپنا دل ہلکا کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ کہتی گئیں اور ولی احمد سنتا گیا۔

"زارا تم ٹھیک ہو" اس کے خاموش ہونے کے بعد ولی نے پوچھا۔

"ہاں" کہ کر اس نے اپنے آنسو صاف کیے۔

"تمہیں پتہ ہے تم بہت بہادر ہو۔ میں تو حیران ہوں تم نے اتنی مشکلات کا سامنا اکیلے کیا" ولی نے نرم مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

تو زارا نے فوراً اسے دیکھا۔

بھوری آنکھیں ٹکرائی۔ تو ایسے لگا جیسے چاند کی ساری روشنی ان پر پر رہی ہے۔

"ولی احمد کو ان بھوری بادامی آنکھوں سے عشق ہو گیا ہے" اس نے اعتراف کر دیا۔  
اعتراف کا لمحہ آگیا تھا۔

زارا آفندی کو یقین نہیں آرہا تھا۔

"کیا کہا" اس نے پوچھا۔ آنکھیں کسی نے نہیں پھیریں۔ جیسے یہ جنگ ہو محبت کی۔ زندگی کی۔  
"تم میری زندگی ہو۔ تم نے زارا آفندی مجھے زندگی دی ہے" لہجے میں صرف محبت تھی۔  
اور پھر زارا آفندی نے یقین کر لیا۔ مسکرا کر۔ محبت سے۔

"زارا آفندی کو بھی ولی احمد سے محبت ہو گئی ہے" اور پھر زارا نے بھی اعتراف کر لیا۔  
اب بے یقینی کی باری ولی احمد کی تھی۔

اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں آگئے تھے۔ وہ اسے رشتہ سے دیکھ رہا تھا۔ عقیدت سے۔ ولی احمد رو رہا تھا۔ اسے زندگی نے اس کی زارا واپس کر دی تھی۔  
"میں وعدہ کرتا ہوں میں تمہاری حفاظت کروں گا۔ سب سے ماہ نور سے۔ ہمارے ہر دشمن سے" اس نے وعدہ کیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

زارا نے آنکھوں میں آنسوؤں لیے سر ہلایا۔

"مجھے یقین ہے" زارا نے اپنے ہاتھ سے اس کے آنسوؤں صاف کیے۔

تو ولی نے اسے سینے سے لگا لیا۔

"مجھے چھوڑ کے تو نہیں جاؤں گی" سوال کیا گیا۔

"کبھی نہیں" جواب آیا۔

زارا نے سکون سے آنکھیں بند کر لی۔ اس آغوش میں بہت سکون تھا۔

چاند کی روشنی ابھی بھی ان پر پر رہی تھی۔ جیسے چاند ان کو دیکھ کر مسکرا رہا ہو۔ وہ چاند جو سب کی کہانیوں سے واقف ہوتا ہے۔

صبح کا سورج طلوع ہو گیا تھا۔ عبدل خان ہاؤس کے اندر جایا جائے تو وہ اس وقت نماز پڑھ چکی تھی۔ لیکن ابھی تک جائے نماز پڑ بیٹھی تھی۔ یہ اس کی عادت تھی گھنٹوں جائے نماز پڑ بیٹھ کر اللہ سے اپنی سارے دن کی باتیں کرنا۔ ابھی بھی وہ یہی کر رہی تھی۔

"اللہ تعالیٰ آپ کو پتہ ہے کل میری دوست میرے حجاب کا مزاق اڑا رہی تھی۔ پھر میں نے اس کے بلند گھوڑے کی پونچھ جیسے بالوں پر چوٹ کی۔ مجھے بہت مزہ آیا۔ ہاں مجھے پتہ ہے یہ اچھی بات نہیں لیکن اس نے بھی تو میرا مذاق اڑایا تھا" وہ ایسے باتیں کر رہی تھی جیسے اللہ تعالیٰ اسے جواب دے رہے ہو۔

"ارے ہاں کل زارا آپ کے بابا کی سرجری تھی۔ مجھے وہاں جانا ہے آج۔ اوکے اللہ تعالیٰ جی ظہر کی نماز کے وقت ملتے ہیں" دعا مکمل کر کے وہ اٹھ گئیں۔

اب وہ حجاب پر جانے کی تیاری کرنے لگی تھی۔ اسے ابھی ناشتہ بھی بنانا تھا۔

ہاسپٹل کا منظر اب بدل چکا تھا۔ علی آفندی کو ہوش آچکا تھا۔ خوشی کی لہر اس وٹینگ ایریا میں پھیلی ہوئی تھی۔ وہاں سب موجود تھے۔ ابھی علی آفندی سے ملنے کی اجازت نہیں ملی تھی۔ ایک وقت میں ایک شخص ہی مل سکتا تھا۔ انہیں آرام کی ضرورت تھی۔ اس لیے حمید آفندی اور لائبریری آفندی اور مسز احمد ان سے مل کر جا چکے تھے۔

وہ پانچوں اس وقت کینیٹین میں اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھے تھے۔

عمل ابھی ہاسپٹل آئی تھی زارا سے ملنے جب اس نے اسے دور سے کینیٹین میں دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔  
 "زارا آپ!" عمل کہتے ہوئے ان کے قریب آرہی تھی۔  
 "ارے عمل" زارا اسے دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔  
 "اسلام علیکم" عمل نے وہاں آکر سب کو سلام کیا۔  
 سب نے جواب دیا لیکن ایک شخص نے تو جیسے اسے سنا ہی نہ ہو۔ مراد حیا اور عمر سے باتوں میں مصروف تھا اس نے ایک نظر اٹھا کر بھی عمل کو نہیں دیکھا۔  
 عمل کو اس کا بے نیاز رویہ کافی عجیب لگا۔ مگر اس نے نظر انداز کیا۔  
 "عمل یہ ولی ہے میرا شوہر" زارا گ اس کا تعارف کروایا۔  
 "کیسے ہیں آپ ولی بھائی۔ بہت مبارک ہو آپ لوگوں کو میں نکاح میں شرکت نہیں کر سکی"  
 "میں ٹھیک ہوں۔ کوئی بات نہیں آپ شادی پر ضرور آنا۔" ولی نے خوش اخلاقی سے جواب دیا۔  
 "اور حیا کا تمہیں پتہ ہے یہ عمر ہے ولی کا بھائی اور وہ مراد ہے ولی کا دوست امریکہ سے آیا ہے" زارا نے سب کا تعارف کروایا۔  
 BEING THE STRING OF YOUR KITE  
 عمر نے اور حیا نے اسے مسکرا کر بات کی جبکہ اس نے ایک نظر دیکھ کر اگنور کر دیا۔  
 مراد ایسا ہی تھا زیادہ کسی سے فری نہیں ہوتا تھا۔ بس جنسے کام ہوتا انہیں سے بات کرتا۔  
 "آؤں عمل ہم ساتھ والی ٹیبل پر بیٹھتے ہیں" زارا اسے ساتھ والی ٹیبل پر لے گئی۔  
 "آپی اب انکل کیسے ہیں" عمل نے پوچھا۔  
 "اللہ تعالیٰ کا بہت شکر ہے اب بہتر ہیں۔ اب انشاء اللہ وہ بس ریکوری کی طرف چلے جائے۔ ابھی وی سو رہے ہیں۔ میں تھوڑی دیر میں تمہیں ان سے ملاتی ہوں" زارا نے کہا۔  
 "جی انشاء اللہ انکل جلد صحت یاب ہو جائے گے" عمل نے دعا دی۔

"آمین" زار نے کہا۔

"کیا کہا ہے ڈاکٹر نے کب تک ہاسپٹل میں رہے گے" اس نے پوچھا۔

"ابھی کچھ خاص نہیں۔ تقریباً دو ہفتے تو رکے گے" اس نے بتایا۔

"اللہ بہتر کرے گا" اس نے کہا۔

"میں تمہارے لیے کچھ لے کر آتی ہوں۔ کافی یا چائے" زار نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"آفکورس کو لڈ کافی" عمل نے مسکرا کر کہا۔

"اوکے" زار کہہ کر چلی گئی۔

عمل ساری کینیٹین کا جائزہ لے رہی تھی۔ جب غیر ارادہ طور پر وہ مراد کو دیکھنے لگی۔

اس کے نین نکش۔ اس کے بال اس کے کپڑے۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی اور وہ اس سے بے نیاز۔

جب اچانک مراد ولی کی کسی بات پر ہنسا۔ تو عمل خان اس کی آنکھوں میں ہی کھو گئی۔ "ہستے ہوئے اس کی

آنکھیں کتنی خوبصورت لگ رہی ہیں" اس نے سراہا۔

"آف عمل کیا کر رہی ہے" اس نے سر جھٹک خد کو ڈپٹا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

زار اقرب آرہی تھی۔

حیا ابھی ایک پشینٹ کو ٹریٹ کر کے آئی تھی۔ وہ گزر رہی تھی جب اسے مراد ہاسپٹل کے ٹیرس پر کھڑا

نظر آیا۔ تو وہ اس کی طرف آگئی۔

سورج غروب ہو رہا تھا اور ٹیرس سے یہ منظر کافی دلکش لگ رہا تھا۔

"تم یہاں اکیلے کیا کر رہے ہو" اس نے پوچھا۔

"کچھ خاص نہیں" اس نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا یہ بتاؤ جب تم نے مجھے پہلی دفع دیکھا تھا تو تمہیں کیا ہوا تھا" حیا نے پوچھا۔

"بتایا تو تھا کام یاد آگیا تھا" اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"یہ تو تمہیں بھی پتہ ہے اور مجھے بھی کہ بات کچھ اور ہے" اس نے یقین سے کہا۔

"آپ سچ میں جاننا چاہتی ہیں" مراد اس کی طرف گھوما اور سوال کیا۔

"جی سچ میں" حیا نے بھی اسی عتماد سے جواب دیا۔

تو مراد نے اپنے والٹ سے اپنی ماں کی تصویر نکال کر اس کے ہاتھ میں دی۔

"یہ دیکھوں" اس نے کہا۔

تو حیا نے تصویر دیکھی جسے وہ شدید حیرانی میں چلی گئی۔

"مراد یہ کون ہے۔ یہ تو بلکل" اس نے حیرانی سے کہا۔

"یہ میری ماں ہے۔ آپ کی شکل ان سے بہت ملتی ہے۔ جب میں نے آپ کو پہلی دفع دیکھا تو مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔" مراد نے بتایا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"تمہاری والدہ کا تو انتقال ہو چکا ہے نہ" اس نے افسوس سے کہا۔

"جی۔ میں جب پانچ سال کا تھا تو میرے بابا کا انتقال ہو گیا۔ رشتے داروں نے ساری جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ میری ماں نے دن رات محنت کر کے مجھے پالا۔ پڑھایا۔ جب میں پندرہ سال کا ہوا تو ماں کو کینسر ہو گیا۔ ہمارے پاس علاج کے پیسے نہیں تھے۔ کچھ مہینوں میں ماں اس دنیا سے چلی گئی۔ گھر کرائے کا تھا تو میں ہاسٹل چلا گیا" اس نے کہا۔ بظاہر وہ مضبوط دکھ رہا تھا۔ لیکن سیاہ آنکھوں میں بہت تکلیف تھی۔

"اس لیے تمہیں پیسوں سے اتنا پیار ہے کیونکہ جب تمہیں ضرورت تھی تب تمہارے پاس نہیں تھے" حیا نے پوچھا۔

"ہاں" اس نے کہا

"اللہ تمہارے والدین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے" حیانے دعا دی۔

"آمین" مراد نے کہا۔

"اچھا اب موڈ ٹھیک کرو۔ مجھے ایک بات بتاؤں" حیانے ماحول نارمل کرنے کی کوشش کی۔

"کیا" اس نے کہا۔

"تم ہمیشہ کالے کپڑے کیو پہنتے ہو۔ میں نے نوٹ کیا ہے۔ دو ہفتوں سے تم روزیہاں آتے ہو اور روز کالا

رنگ پہنتے ہو" حیانے پوچھا۔

"کیونکہ کہ مجھے سیاہ رنگ سے محبت ہے۔ یہ میری سیاہی کی نشانی ہے۔ میں اندر سے بہت سیاہ ہوں" مراد

نے جواب دیا۔

"سیاہ رنگ سے محبت کی وجہ" اس نے پوچھا۔ حیا کو اس کی باتیں مزے کی لگ رہی تھی۔

"سیاہ رنگ کی ترجیح وقار اور طاقت کی نشاندہی ہے۔ جو کوئی سیاہ لباس پہنتا ہے وہ خود کو سنجیدگی سے لیتا

ہے۔ چونکہ وہ فطری طور پر مبہم اور بلند نظر ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنے آپ کو ان تمام ممکنہ تنقید اور

تکلیف سے بچانا چاہتے ہیں جو ان کے خوابوں کا تعاقب کرتے ہوئے آسکتے ہیں۔" اس نے تفصیل سے بتایا

-

اور حیا اسے سراہے بغیر نہ رہ سکی۔

"Impressive"

"واہ کیپٹن مراد ابرہیم آپ نے تو مجھے اپنی سوچ سے متاثر کر دیا" حیانے کہا۔

تو وہ مسکرا نے لگا۔ جس سے اس کے ڈمپل واضح ہو رہے تھے۔

"شکریہ" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔



"پر تمہیں نہیں لگتا تمہیں اپنی سیاہی میں اور رنگوں کو بھی شامل کرنا چاہیے" اس نے کہا۔  
 "نہیں۔ مراد ابرہیم نے جب جب اپنی سیاہی میں اور رنگ شامل کرنے کی کوشش کی ہے تب تب ان  
 رنگوں کو قربانی دینی پڑی ہے۔ کیونکہ میری سیاہی ہر رنگ کو سیاہ کر دیتی ہے" اس نے مسکرا کر کہا اور وہاں  
 سے چلا گیا۔

حیا اسے جاتا دیکھ رہی تھی۔ وہ ابھی بھی اس کے الفاظوں میں الجھی ہوئی تھی۔  
 وہ سر جھٹک کر اپنے کام میں واپس چلی گئی۔  
 اگر اس ٹیرس کے باہر پرے بیچ پر دیکھا جائے تو وہاں عمل خان بیٹھی تھی۔ جس پر کسی نے غور نہیں کیا تھا

وہ سب سن چکی تھی اور ابھی تک مراد کی باتیں پر اسیس کر رہی تھی۔  
 یہ شخص عام نہیں تھا۔ بلکہ اس کی سیاہی میں کچھ ایسا تھا جو سب کو اس کی طرف کھینچتی تھی۔

زارا اس وقت علی آفندی کے روم میں تھی۔ وہ جاگ رہے تھے اور سوپ پی رہے تھے۔  
 زارا سے نہیں مراد سے۔ انہی ہاسپٹل میں ایک ہفتہ ہونے والا تھا۔ اور اس دورانے میں وہ مراد سے بہت  
 اٹیچ ہو گئے تھے۔ ان دونوں کی بہت دوستی ہو گئی تھی۔

پچھلے دو دن سے مراد ان کے پاس ہی سوتا تھا۔ زارا کو اس بات کی بہت خوشی تھی کیونکہ اس وجہ سے وہ  
 بہت تیزی سے ریکوری کر رہے تھے۔

ابھی بھی زارا انہیں مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔ جب کہ مراد نے علی آفندی کو باتوں میں لگا کر سارا سوپ پلا  
 دیا تھا۔

"علی اب تم جلدی سے دوائی کھا لو ورنہ تمہاری بیٹی نے مجھے کھا جانا ہے" اس نے دوائی ان کی طرف برہاتے ہوئے کہا۔

"یار تم سہی کہ رہے ہو۔ اس کی بات نہ مانو تو ایسے ہی کرتی ہے" علی آفندی نے بھی اسکی ہاں میں ہاں ملائی۔

"یہ آپ دونوں میری برائیاں کیوں کر رہے ہیں" زارا نے ہنسی روکتے ہوئے بامشکل کہا۔

"دیکھا علی کیسے دھمکار ہی ہے" مراد نے پانی کا گلاس واپس رکھتے ہوئے کہا۔

"زارا تم میرے دوست کونہ ڈراؤں" علی آفندی نے اس کی سائیڈ لی جس پر اس نے معصومانہ منہ بنالیا۔

"نہیں ڈرارہی میں آپ کے دوست کو۔ جارہی ہوں میں" وہ کہہ کر کمرے سے چلی گئی۔ جس پر وہ دونوں ہنسنے لگے۔

باہر آکر زارا بھی ہنسنے لگی۔

زارا ولی کے روم میں گئی تو وہاں پہلے سے عمر موجود تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"کیا بات ہے بڑا ہنسا جا رہا ہے" عمر نے اسے ہنسا دیکھ کر چھیڑا۔

"مراد ہنسا رہا تھا" زارا نے بتایا۔

ولی اور عمر اس وقت روم میں موجود صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ تو زارا جا کر ولی کی ہیڈ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اب

یہ اس کی عادت بن گئی تھی۔ وہ ولی کی ہر چیز پر اپنا حق سمجھنا شروع ہو گئی تھی۔

ولی اسے مسکرا کر دیکھتا رہ گیا۔

"ویسے مراد بہت اچھا ہے۔ اس نے بابا کا بہت خیال رکھا ہے" زارا نے اس کی تعریف کی۔

"مجھے تو پہلے ہی پتہ تھا کہ مراد بہت اچھا ہے تم لوگ ہی اس پر شک کرتے تھے" ولی نے کہا

"اچھا پھر وہ کون تھا جسے پہلے دن مراد فراڈ لگا تھا" زار نے یاد کروایا  
 "ارے وہ تو میں احتیاط کرنے کا کہ رہا تھا" ولی نے صفائی پیش کی۔  
 "اچھا لڑوں نہیں ہم مراد کی بات کر رہے تھے" عمر نے ان کی کبھی نہ ختم ہونے والی بحث کو روکا۔  
 جب حیاروم میں آئی۔  
 "آپی مراد کسی کام سے چلا گیا ہے۔ اور تایا ابو سو رہے ہیں" حیانے آکر بتایا اور چیئر پر بیٹھ گئی۔  
 "شکر بابا سو گئے۔ عیسے مراد ہی بابا کو ٹائم پر کھانا کھلاتا ہے اور سولاتا ہے" زار نے اس کی تعریف کی۔  
 یہ ایک میسمنٹ کا منظر تھا جہاں صرف اندھیرا تھا۔ ماہ نور چیئر پر بیٹھی اس کا ویٹ کر رہی تھی۔ ارد گرد اس  
 کے گارڈ کھڑے تھے۔

"مراد بہت اچھا ہے" عمر نے کہا۔  
 وہ قریب آ رہا تھا۔ اس نے جو کر کے چہرے کا فیس ماکس لگایا تھا۔  
 "اس کی باتیں۔ وہ ایک ایماندار لڑکا ہے جس نے کم عمر میں اپنے والدین کو کھو دیا" حیانے افسردگی سے کہا

BEING THE STRING OF YOUR KITE

اب وہ رک گیا تھا۔ اس نے اپنا ماکس اتارہ تو اس کا چہرہ واضح ہوا۔  
 "بہت بہادر ہے وہ اس نے میری اور زار کی جان بچائی تھی" ولی نے کہا۔  
 نیم اندھیرے میں بھی اس کی سیاہ آنکھیں چمک رہی تھی۔  
 "خوش آمدید کیپٹن مراد ابرہیم" ماہ نور آفندی نے خوش دلی سے کہا۔  
 "مجھے یقین ہے مراد ہمیں اس مشکل سے نکال لے گا۔  
 وہ نے کرسی کھینچ کر بیٹھا اور ٹانگ پر ٹانگ بیٹائی۔  
 "کیسی ہو ماہ نور آفندی" مسکرا کر پوچھا۔ اس لے لہجے میں صرف سیاہی تھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپڈیٹ کیا ہے" اس نے شیطانی مسکراہٹ سے پوچھا۔  
 "وہ سب مجھ پر اندھا اعتبار کرنے لگے ہیں" اس نے فخر سے بتایا۔  
 "گڈ۔ ویری گڈ۔ دو ہفتوں میں تم نے یہ کام کر لیا۔ اب ہمیں اگلا کام کرنا ہے" اس نے کہا۔  
 "میں نے تم سے کہا تھا کہ یہ بہت آسان ہے" مراد نے یاد کروایا۔  
 "اس وقت مجھے نہیں پتہ تھا کہ یہ سب اتنی آسانی سے ہو جائے گا"

ماضی (زارا اور ولی کے نکاح کے اگلے دن)

"کیا چاہتی ہو تم" مراد نے پوچھا۔  
 "موت۔ زارا آفندی کی اور ولی احمد کی" ماہ نور نے سفاکی سے کہا۔  
 یہ اسی بیسمنٹ کا منظر تھا۔ ماہ نور نے مرد کو ہائیر کرا تھا۔  
 "ہو جائے گا لیکن میں منہ مانگے پیسے لوں گا" مراد نے اعتماد سے کہا۔  
 "اس سے دو گنا زیادہ دوں گی" ماہ نور نے کہا۔  
 جس پر وہ مسکرانے لگا۔ نیم اندھیرے میں بھی اس کے ڈمپل واضح ہو رہے تھے۔  
 "ٹھیک ہے۔ لیکن تم نے جو بتایا ہے اس کے بعد انہیں فوراً نہیں مارنا چاہیے۔ بلکہ کچھ مزے دار کرنا  
 چاہیے" مراد نے مسکرا کر کہا۔  
 "مطلب"

"میرے پاس ایک پلین ہے۔ پہلے ہم انہیں تھریٹ بھیجے گے۔ پھر میں ان کا بھروسہ جیتو گا اور پھر ہم بہت صفائی کے ساتھ ان کا کام تمام کر دے گے اور نہ کسی کو تم پر شک ہو گا نہ مجھ پر۔ گیم کی گیم" مراد نے کہا۔  
 "مجھے یہ اچھا لگ رہا ہے۔ لیکن یہ تھوڑا مشکل ہے"  
 "کیپٹن مراد ابرہیم سب کر سکتا ہے" مراد نے مسکرا کر کہا۔

آج

"پھر دیکھ لو" مراد نے فخر سے کہا۔  
 "آگیا یقین تم پر۔ اب بس میں اس زار کو ترپا ترپا کر مارنا چاہتی ہوں" ماہ نور نے نفرت سے کہا۔  
 "لیکن اسے پہلے ہمیں انہیں توڑنا چاہیے۔ ان چاروں کی آپس میں جان بستی ہے" مراد نے کہا۔  
 "پہلے ان میں سے ایک کو مارتے ہیں" ماہ نور نے کہا۔  
 "عمر عبید۔ پہلے اسے مار گے" مراد نے گہری سوچ سے کہا۔  
 "مجھے پتہ ہے تم میری بہن کو پسند کرتے ہو اس لیے اسے مارنا چاہتے ہو" ماہ نور نے ہنس کر کہا۔  
 "ہاں ہماری اس ڈیل کا حصہ ہے کہ تم مجھے حیا دو گی" مراد نے یاد کروایا۔  
 "مجھے کوئی مسئلہ نہیں۔ کب مارنا ہے اسے"

"آج جمعرات ہے۔ 15 مارچ۔ پیر کو۔ یعنی چار دن بعد۔ 19 مارچ کو" ایک انسان نے دوسرے انسان کی زندگی کا فیصلہ کر لیا۔

"پلان کیا ہے" ماہ نور نے پوچھا۔

"پلان یہ ہے کہ"

اس نیم اندھیرے بیسمنٹ میں معصوم لوگوں کو برباد کرنے کی پلاننگ جاری تھی۔ اس سب سے بے خبر وہ چاروں ابھی تک مراد کو فرشتہ سمجھ رہے تھے۔ مستقبل سے بے خبر۔

رات گزر چکی تھی۔ دن چر رہا تھا۔ باہر بارش ہو رہی تھی۔ ایسے میں عبدل خان ہاؤس میں جھانکا جائے تو سب سو رہے تھے۔

لیکن وہ ابھی تک جاگ رہی تھی۔ وہ ساری رات سو نہیں سکی تھی۔ کروٹ پر کروٹ بدل رہی تھی۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ آنکھیں بند کرتے ہی مسکراتی ہوئی سیاہ آنکھیں نظر آتی تھی۔

وہ تھک کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بھورے بال کھلے ہوئے تھے۔ نہ سونے کی وجہ سے آنکھوں پر ہلکے پرگے تھے۔ عمل کافی خوبصورت لڑکی تھی۔ اس کے چہرے پر بہت معصومیت تھی۔

"یا اللہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ ایک ہفتہ ہو گیا ہے اور میں ابھی تک اس مراد کی آنکھیں نہیں بھول پارہی۔ کہیں مجھے "اس سے آگے وہ کہ نہ سکی۔

کیونکہ اس کا اعتراف کرنا بہت مشکل تھا۔ لیکن عمل خان جان گئی تھی کہ وہ اسے بھول کیونہیں پارہی۔ اس نے اپنا سر پکڑ لیا۔ باہر ابھی تک بارش ہو رہی تھی۔ واقع میں قبولیت کا لمحہ بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ وہ خاموشی سے اٹھی اور واشروم میں گئی۔ خد کو آئینے میں دیکھا۔

ساری رات نہ سونے کی وجہ سے رنگ پیلا لگ رہا تھا۔ بارش کی آواز یہاں تک آرہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں ٹپکے۔

"تو مجھے محبت ہو گئی ہے" اس نے کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں نکلنے لگے۔ وہ رو رہی تھی اس لیے کیونکہ وہ جانتی تھی کہ محبت انسان کو توڑ دیتی ہے۔ وہ واقف تھی اپنی بری قسمت سے۔ اسے معلوم تھا کہ اسے محبت ہو گئی ہے تو اس کی زندگی میں عمر بھر کا روگ لکھ دیا گیا ہے۔ اسے علم تھا کہ وہ کبھی اپنی محبت کا اعتراف نہیں کر پائے گی۔

اس نے آنسوؤں صاف کیے اور کمرے سے باہر نکلی اور صحن کی چھت کے نیچے کھڑی ہو گئی۔ وہ بارش کو گرتا ہوا دیکھ رہی تھی اور بارش اس کے گرتے ہوئے آنسوؤں کو دیکھ رہی تھی۔

شاید وہ پہلی لڑکی تھی جو محبت ہونے پر رو رہی تھی۔ کیونکہ وہ حقیقت سے واقف تھی۔ اور غم منار ہی تھی۔ اس وقت کا جب محبت اس کو پوری طرح توڑ دے گی۔

کیونکہ کہ وہ عمل خان تھی جس کے لیے کبھی کوئی نہیں آیا۔ اور اسے پتہ تھا کہ کبھی اس کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔ مراد ابرہیم بھی نہیں۔

16 مارچ، جمعہ کا دن BEING THE STRING OF YOUR KITE

آج علی آفندی کو ڈسپارچ کر دیا گیا تھا۔ اس لیے آفندی ہاؤس میں رونک لگی تھی۔ آج کچن میں سکینہ بی بی کے ساتھ لائبہ آفندی اور مسز احمد موجود تھی۔ ان دونوں کی کافی دوستی ہو گئی تھی۔

اور علی آفندی کے روم میں فضل دین کے ساتھ مراد تھا۔ فضل دین کو وہ بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ زارا، حیا اور عمل۔ اس وقت زارا کے روم میں تھے۔ اور وہاں Girls gossip چل رہا تھا۔

ولی اور عمر لانچ میں بیٹھے لڈو کھیل رہے تھے۔

زارا کے کمرے کا منظر کچھ ایسا تھا کہ صوفے کے آگے پرے قلین پر حیانیم دراز تھی جبکہ عمل فلور کشن پر بیٹھی تھی اور زارا صوفے پر۔ زارا نے اس وقت گرین لانگ فرائیڈ پہنا تھا اور سکن حجاب۔ میکپ سے عاری چہرہ کھلا کھلا لگ رہا تھا۔ زارا میں ایک اور چیز کا بھی اضافہ ہوا تھا۔ "خوشی"۔ زارا آفندی خوش تھی۔ بہت عرصے بعد صرف ولی احمد کی وجہ سے۔

حیافون پر سکراننگ کر رہی تھی اور عمل اور زارا باتیں کر رہی تھی۔  
"پھر تم نے آگے کا کیا سوچا عمل" زارا نے پوچھا۔

"میں نا آپی کچھ بہت بڑا کرنا چاہتی ہوں۔ کچھ بننا ہے مجھے" عمل نے جوش سے کہا۔  
"بہت اچھی بات ہے۔ پھر کہا سے شروع کرو گی" زارا نے خوش دلی سے پوچھا۔  
"آپی یہی تو سمجھ نہیں آرہی" عمل نے کہا۔

"دیکھو میرا ماننا ہے کہ جو مسئلہ آپ کے سامنے ہو آپ کو سب سے پہلے اسے حل کرنا چاہیے۔ تم سوچو کہ تمہارے سامنے کونسا مسئلہ ہے"  
"سوچتی ہوں" عمل نے دماغ پر زور ڈالا۔

"ہاں۔ آپی پچھلے مہینے ہمارے ہسپتال میں دو پریگنٹ عورتوں کا ریپ ہوا ہے۔ اور جب میں نے ریسرچ کی تو مجھے پتہ چلا کہ پچھلے سال تقریباً 6 ہزار سے زائد ریپ کیس رجسٹر ہوئے ہیں۔ یہ سب صرف فیملی ڈاکٹر کی کمی سے ہوا ہے" عمل نے کہا  
"پھر تمہیں پتہ ہے کہ تم نے کیا کرنا ہے" زارا نے کہا



"ہاں مجھے گانا کالو جسٹ بنا ہے۔ پھر میں عورتوں کی پڑھائی کے لیے تنظیم شروع کروں گی" اور پھر عمل خان نے فیصلہ کر لیا۔

"واہ یہ تو بہت اچھا آئیڈیا ہے۔ میں بھی تمہاری مدد کروں گی" حیا جو کب سے انکی باتیں سن رہی تھی اس نے خوشی سے کہا۔ "میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہیں ہم سے جو مدد چاہیے بلا جھجک کہ دینا" زار نے کہا۔

"تھینک یو سو مچ آپ" عمل کی آنکھوں میں آنسوؤں آگئے تھے۔  
"اچھا چلو اب کوئی دکھی نہیں ہو گا۔ چلوں نیچے چلتے ہیں" حیا نے کہا اور آٹھ گئی۔

مسز احمد اور لائبریری آفندی۔ علی آفندی کے روم میں موجود تھی۔ وہاں سب باتیں کر رہے تھے۔ حمید آفندی بھی آگئے تھے۔  
مراد موقع دیکھ کر ہی کچن کی طرف گیا۔

کچن میں کوئی نہیں تھا۔ مراد نے شلف پر موجود باؤل میں سے ایک کاڈ ھٹک لیا۔ اس میں چکن کڑھائی موجود تھی۔ مراد نے جیب سے ایک پیکیٹ نکالا اور اس میں موجود پاؤڈر سالن میں مکس کر دیا۔  
پھر وہ کچن میں موجود کھڑکی کی طرف برہا۔ کھڑکی کھول کر وہ وہاں سے ٹاپ کر باہر گارڈن میں کودا۔ پھر بھاگ کر دیوار ٹاپی اور سڑک پر گیا۔ سڑک پر جا کر اس نے روڈ سے مٹی اٹھا کر اپنی بلو جینز پر لگانی شروع کی۔

اس نے اپنی پیروں کا پونچا اوپر کیا اور جراب میں موجود چاکو نکالا اور اس سے اپنے ہاتھ پر کٹ لگائے۔  
چاکو واپس رکھ کر اس نے گیٹ کی طرف دھوڑا لگائی۔ اور گھر کے اندر گیا۔

سامنے ہی لاؤنچ میں وہ پانچوں بیٹھے تھے۔

اس نے اندر جاتے ہی گوڈوں پر ہاتھ رکھ کر گہرے گہرے سانس لیے۔

وہ سب اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کی طرف آئے۔

"کیا ہوا مراد یہ تمہیں کیا ہوا ہے" ولی نے پوچھا۔

عمر نے اسے صوبلے پر بیٹھایا۔

زار اس کے لیے پانی لے کر آئی۔

"تمہارے ہاتھ سے خون نکل رہا ہے" حیا نے کہا۔

عمل خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔

"وہ میں کچن میں گیا تو میں نے دیکھا کوئی کچن کی کھڑکی سے بھاگ رہا تھا۔ اس نے چہرہ اچھپایا ہوا تھا۔ میں

اس کے پیچھے بھاگا۔ دیوار ٹاپ کر جب روڈ پر پہنچا تو میں نے اسے پکڑ لیا۔ ہماری لڑائی ہوئی۔ میں نے اس

کی شکل دیکھنے کی ہمت کوشش کی لیکن پھر اس نے چاکو نکال لیا اور مجھے دھکا دے کر بھاگ گیا" مراد نے

سانس چرہائے ہوئے لہجے میں رک رک کر بتایا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

حیا نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

عمل کو کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔

"اگر وہ کچن میں آیا تھا تو یقیناً اس نے کھانے میں کچھ ڈالا ہوگا" عمر نے کہا۔

"مجھے نہیں لگتا۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ یقیناً کوئی تھریٹ چھوڑنے آیا تھا" مراد نے کہا۔

"اس بارے میں بعد میں بات کرتے ہیں ابھی تم اپنی حالت ٹھیک کرو" ولی نے کہا۔

"ہاں عمل تم مراد کو اندر لے جاؤ اور اس کی بینڈجج کر دو" زار نے عمل سے کہا۔

"میری گاڑی میں میرا جم سوٹ پر ہے۔ میں لا دیتا ہوں تم وہ پہن لو" عمر کہہ کر باہر گیا۔

تو مراد بھی عمل کے پیچھے کمرے میں گیا۔

"کچن میں جا کر چیک کرتے ہیں کھانے میں کچھ نہ ہو" ولی کے کہنے پر زارا اور حیا اس کے ساتھ کچن کی طرف گئی۔

زارا کے روم میں موجود صوفے پر ایک طرف مراد بیٹھا تھا اور دوسری طرف عمل۔ عمل خاموشی سے اس کی بینڈ تاج کر رہی تھی۔

وہ پوری کوشش کر رہی تھی اسے انور کرنے کی۔ لیکن باب اسے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی بینڈ تاج کرنی پر رہی تھی۔

وہ ہر تھوڑی دیر بعد نظر بچا کر مراد کو دیکھ رہی تھی۔ حسرت سے۔ یہ وہ انسان تھا جسے وہ حاصل نہیں کر سکتی تھی۔

Safar-e-Adab  
BEING THE STRING OF YOUR KITE

عمل کی سوچوں سے بے خبر مراد آگے کا لالہ عمل تیار کر رہا تھا۔  
عمل کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھی۔  
"کیا میں اس قابل بھی نہیں کہ وہ ایک نظر اٹھا کر مجھے دیکھ لے" نا جانے کیوں ایک دم یہ سوال عمل کے دل میں اٹھا۔ جس سے اس کے اندر تکلیف ہی تکلیف پھیل گئی۔

"یہ لو مراد یہ پہن لو" تبھی عمر اندر آیا اور مراد کو کپڑے دیے۔ مراد فوراً عمل کے ہاتھ سے ہاتھ نکال کر اٹھا اور عمر سے کپڑے لیے۔

عمل کو ایسا لگا جیسے ساری زندگی کے لیے اس کے ہاتھ خالی رہ گئے ہیں۔

اس نے بہت مشکل سے اپنے آنسوؤں کو روکا۔

تھوڑی دیر میں مراد کپڑے پہن کر باہر آگیا۔ یہ گرے کلر کا ٹریک سوٹ تھا۔ جس میں وہ کھل رہا تھا۔  
 عمل نے اسے پہلی بار سیاہ رنگ سے ہٹ کر کسی رنگ میں دیکھا تھا۔  
 عمر اور مراد کمرے سے چلے گئے اور عمل خان خالی ہاتھ وہاں بیٹھی رہ گئی۔  
 بے اختیار عمل کے منہ سے نکلا  
 "میں ٹھہر گئی، وہ گزر گیا  
 وہ کیا گزرا، سب ٹھہر گیا"  
 ساتھ ہی ایک آنسو عمل کی آنکھ سے نکلا۔

علی آفندی کے گھر میں آج ڈانگ ٹیبل پر رونق لگی تھی۔  
 علی آفندی اپنے روم میں ریسٹ کر رہے تھے۔ جب کہ باقی سب ڈانگ ٹیبل پر موجود تھے۔  
 سب کھانا کھا رہے تھے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔  
 "عمر تم چکن کڑھائی کھاؤں نا" مراد نے عمر سے کہا۔ لیکن جیسے ہی وہ باؤل پکڑنے لگا تو لائبر آفندی کہنے لگی

"حیاتم کب سے ان چاولوں کے ساتھ لگی ہو یہ چکن کڑھائی کھاؤں نا"  
 "جی ممّا" حیات نے کہہ کر جیسے ہی باؤل پکڑنے لگی تو مراد نے فوراً اس کے ہاتھ سے باؤل چھین لیا۔  
 یہ منظر وہاں موجود تمام لوگوں نے دیکھا تھا۔

"مجھے لگ رہا ہے اس میں کچھ ہے" مراد کہہ کر باؤل اٹھا کر کچن میں چلا گیا۔ وہ اس اوکورد سچویشن میں یہی  
 کر سکتا تھا۔ جاتے ہوئے اس نے ولی کو اشارہ کیا۔ جو وہ سمجھ گیا تھا۔

"مراد ٹھیک کہ رہا ہے۔ اصل میں یہ چکن کافی ٹائم سے فریج میں پرا تھا۔ یہ سالن خراب ہو گیا ہے" زارا سمجھ گئی تھی اس لیے فوراً سفاح پیش کی۔

ولی خاموشی سے مراد کے پیچھے کچن میں چلا گیا۔

"لیکن سکینہ بی بی نہ تو کہا تھا کہ یہ چکن۔ کل آیا ہے" لائبہ آفندی نے کہا۔

"اور ہم نے اسے ٹیسٹ بھی کیا تھا مجھے تو ٹھیک لگا تھا" مسز احمد نے کہا۔

"پکاتے وقت تو ٹھیک ہی لگتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد پتہ چلتا ہے۔ مجھے بھی اس میں سے بدبو آرہی تھی" حیا کو جو سمجھ آئی اس نے کہہ دیا۔

"بس کر دے آپ سب اب ایک چکن کڑھائی کے لیے اتنی بحث کیو کر رہے ہیں۔ یہاں اتنا کچھ کھانے کے لیے ہے۔ سکون سے کھائیں" حمید آفندی نے بات ختم کر دی۔

"مراد تمہیں کیسے پتہ اس میں زہر ہے" ولی نے مراد سے پوچھا۔ اس وقت وہ دونوں کچن میں موجود تھے

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"یہ دیکھو سائڈ سے یہ ہر اہورہا ہے۔ اس کا مطلب زہر اپنا اسر چھوڑ رہا ہے" مراد نے باؤل کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

تو ولی نے بھی غور کیا۔

حقیقت میں وہاں سے سالن کا رنگ بدل رہا تھا اور وہاں جھاگ بھی بن رہی تھی۔

جب ولی کی تسلی ہو گئی تو مراد نے سالن ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔

"اس کا مطلب یہ لوگ بہت خطرناک حد تک پہنچ گئے ہیں۔ اس سے کسی کی جان بھی جاسکتی تھی" ولی نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"تم فکر نہیں کرو میں آج سے کام شروع کرتا ہوں۔ ہم جلد اپنے دشمن تک پہنچ جائے گے" مراد نے یقین دلا یا۔

علی آفندی کے گھر موجود دعوت کا اختتام ہو گیا تھا۔ سب لوگ جا چکے تھے۔ لیکن عمل ابھی تک وہی موجود تھی۔ ا

زارا نے عمل کو سب کچھ بتا دیا تھا۔

وہ دونوں اس وقت زارا کے روم میں تھی۔

"آپی یہ تو بہت خطرناک ہے" عمل واقع میں پریشان ہو گئی تھی۔

"ہاں لیکن مجھے یقین ہے کہ ولی اور مراد کچھ کر لے گے" زارا نے یقین سے کہا۔

"ہاں آج بھی اس نے وقت پر حیا کو روک لیا ورنہ" اس سے آگے وہ کہ نہ سکی۔

"اللہ ہم سب کی حفاظت کرے" زارا نے کہا۔

"آپی میں بھی آپ لوگوں کی مدد کرنا چاہتی ہوں" BEING THE STRING

"نہیں عمل تم ان سب سے دور رہو میں نہیں چاہتی تمہیں کوئی نقصان پہنچے" زارا نے فوراً منہ کر دیا۔

مراد ابھی سونے ہی والا تھا جب اس کے اپارٹمنٹ کی گھنٹی بجی۔

وہ جو کوئی بھی تھا گھنٹی پر ہاتھ رکھ کر بھول گیا تھا۔

مراد جانتا تھا یہ کون ہو سکتا ہے۔

"ارے کیسا ہے میرا یار" دروازہ کھولتے ہی وہ جوشی سے کہہ کر اس کے ساتھ سے نکل کر صوفے پر دھرم سے بیٹھ گیا تھا۔

"یہ کون سا وقت ہے کسی کے گھر آنے کا" مراد نے دروازہ بند کر کے اس سے پوچھا۔  
یہ تھا نور ہادی۔ مراد کا بچپن کا دوست۔ جس سے وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔ مراد ہادی سے ہر بات شیر کر تا تھا۔ ہادی ایک سو فوئیر انجینئر تھا۔ اور ہیکر بھی۔ مراد کے ہر کام میں ہادی اس کی مدد کرتا تھا۔ اور مراد کے گھر کو بھی اپنا گھر سمجھتا تھا۔  
"کسی کا گھر نہیں یار۔ یہ تو میرا گھر ہے۔ اب جلدی سے میرے لیے پزا آرڈر کرو" ہادی نے جوتے اتارتے ہوئے کہا۔

جرا بے زمین پر پھینک کر برے مزے سے اس نے ٹیبل پر پاؤں رکھ لیے۔  
"آوے تمیز سے ابھی میں نے صفائی کی ہے" مراد جتنا صفائی پسند تھا ہادی اتنا ہی گند ڈالنے والا۔

پزا آچکا تھا۔ اور نور ہادی اس سے انصاف بھی کر چکا تھا۔ اب وہ مراد کے بیڈ پر آرام سے لیٹا تھا۔ مراد ابھی اس کا پھیلا یا ہوا گند صاف کر کے آیا تھا۔ اور اسے بیڈ پر دیکھ کر بس گھور کے رہ گیا تھا۔ مراد اس کی ٹانگیں پیچھے کر کے بیڈ پر بیٹھا۔ وہ جناب مراد کے کپڑے بھی پہن چکے تھے۔  
جب بھی ہادی ایسے آتا تھا پھر وہ ایک ہفتہ مراد کو تنگ کر کے ہی جاتا تھا۔  
"صبح ہوتے ہی یہاں سے نکل" مراد نے کہا۔

"خدا کے لیے یہ ظلم مت کرو میں کہا جاؤں گا۔ میرا تمہارے سوا کوئی نہیں ہے" ہادی نے ڈرامے بازی کے سارے ریکارڈ توڑتے ہوئے کہا۔

"میرے گھر میں اگر رہنا ہے تو روز صفائی کرنی ہوگی" مراد نے کہا۔ کیونکہ اسے یہ تو پتہ تھا کہ وہ اس ڈھیٹ کو گھر سے نہیں نکال سکتا۔

"جی حضور جیسے آپ کہے" ہادی نے کہا۔

جبکہ مراد کو پتہ تھا کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔

"اور بتاؤں تمہاری لوسٹوری کہا تک پہنچی" ہادی نے پوچھا۔ وہ سب کچھ جانتا تھا۔

"پتہ نہیں یار مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی۔ مجھے لگ رہا ہے کہ میں کچھ غلط کر رہا ہوں" مراد نے سوچتے ہوئے کہا۔

"کیو" ہادی فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کیونکہ کیپٹن مراد ابرہیم کو اپنے کسی کام پر شک ہو۔ یہ نارمل بات نہیں تھی۔

"یار تم تو جانتے ہو میں ماہ نور کو ڈنچ کر رہا ہوں۔ میں کبھی بھی زار اور ولی کو نہیں ماروں گا۔ میں کیپٹن مراد ابرہیم ہوں میں نے آج تک کسی بے گناہ کو نہیں مارا" مراد نے کہا۔

"یہ تو مجھے پتہ ہے۔ تو عمر کو مار کر ماہ نور کو پولیس کے حوالے کر دے گا اور پھر حیاتیری۔ اس سب میں مسئلہ کیا ہے" ہادی کو اس کی پریشانی کی وجہ سمجھ نہیں آرہی تھی۔

"یہی تو مسئلہ ہے عمر بھی تو بے گناہ ہے۔ یار مجھے ابھی سکون نہیں مل رہا۔ عمر کو مار کر میں ساری زندگی کیسے سکون سے گزار سکو گا"

"اچھا تو یہ بات ہے۔ دیکھ مراد تیرے پاس دو راستے ہیں۔ یہ عمر کو چھوڑ دے اور حیا کو بھول جا۔ یہ پھر عمر کو مار کر حیا کے ساتھ رہ" ہادی ٹھیک کہہ رہا تھا۔ مراد کو اب ایک راستہ چننا تھا۔

اور یہ اس کے لیے بہت مشکل ہو گیا تھا۔ مراد جو نہیں پتہ تھا اپنے مقصد کے اتنا قریب پہنچ کر وہ ایسے کنفیوز ہو جائے گا۔



"لیکن کیا گارنٹی ہے کہ عمر کے مرنے کے بعد حیا مجھ سے محبت کرے گی" مراد نے جیسے خد سے سوال کیا

-

"یعنی تم عمر کو نہیں مارو گے۔ تو تم نے حیا پر کپڑا مائز کر لیا ہے" ہادی نے سوال کیا۔

"نہیں نہیں نہیں" مراد نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ خیال بہت تکلیف دہ ہے میں یہ نہیں کر سکتا" اس کی سیاہ آنکھوں میں واضح تکلیف نظر آرہی تھی۔

"یار ماں کے بعد زندگی میں پہلی بار مجھے کسی عورت سے محبت ہوئی ہے۔ جس کے ساتھ میں رہنا چاہتا ہوں

۔ میں اس معاملے میں خد گرز ہو گیا ہوں"

"اگر تم خد گرز ہو گئے ہو تو تمہیں سکون کیونہیں آ رہا" ہادی نے پھر سوال کیا۔

"آجائے گا جب حیا میری ہو جائے گی تب آجائے گا" مراد نے جیسے خد کو تسلی دی۔

لیکن وہ خد کو کب تک تسلی دے سکتا تھا۔

Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

17 مارچ، ہفتہ کا دن

آج کی صبح سیٹی ہاسپٹل کے لیے معمول سے ہٹ کر تھی۔ کیونکہ ان کا ایک ساتھی غائب تھا۔

ولی کہا تھا اس کا علم کسی کو نہیں تھا۔

عمر اس وقت ڈاکٹر زار آفندی کے روم میں مجرم کی طرح سر جھکائے بیٹھا تھا۔ حیا اور مراد بھی وہی تھے۔

"سچ سچ بتا دوں عمر عبید کہا ہے تمہارا بھائی" زار نے غصے سے پوچھا۔

وہ کب سے روم میں غصے کے عالم میں چکڑ لگا رہی تھی۔ ادھر سے ادھر۔ غصہ کی وجہ یہ تھی کہ ولی صبح سے غائب تھا۔ فون بھی بند تھا۔

"میں کیسے یقین دلاؤں مجھے نہیں پتہ" عمر نے دھائی دی۔

"دیکھو عمر اگر تم نے مجھے نہیں بتایا تو میں قسم کھاتی ہوں تمہاری حیا سے شادی نہیں ہونے دو گی" زارا نے دھمکی دی۔

"ارے آپی کیا ہو گیا ہے۔ عمر بتا دو نا جو بھی تمہیں پتہ ہے" حیا تو زارا کی بات سے ڈر ہی گئی تھی۔  
"آج 17 مارچ ہے" عمر نے کہا۔

"تو ہم کیا کریں" زارا نے غصے سے پوچھا۔

"پانچ سال پہلے آج کے دن زارا کا انتقال ہوا تھا" عمر نے بتانا شروع کیا۔

گاڑی سڑک پر روا تھی۔ گاڑی میں صرف زارا تھی۔ زارا خاموشی سے ڈرائو کر رہی تھی۔  
"کون زارا" حیا نے پوچھا۔ زارا اپنی جگہ سے حل نہیں سکی۔

میں روڈ آچکا تھا۔ اس نے ٹرن لیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"زارا خان۔ ولی اور وہ ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ شادی کرنا چاہتے تھے"

ریڈ سگنل آگیا تھا۔ اس نے بریک لگائی۔

"ایک دن زارا کا کار آکسیڈنٹ ہو گیا۔ اور وہ اس دنیا سے چلی گئی۔ ولی ٹوٹ گیا تھا۔ بہت مشکل سے سنبھلا تھا"

سگنل کی بتی اب پیلی ہوئی تھی۔

"جب تک ہم امریکہ میں تھے تب۔ ہمیشہ 17 مارچ کو ولی سارا دن زارا کی قبر پر گزارتا۔ اور ایسے ہی غائب رہتا"

سگنل گرین ہوگئے تھے۔ زار نے اکیلیٹر دبایا۔

"مگر پاکستان میں یہ پہلی دفع ہے۔ مجھے قسم سے نہیں پتہ وہ کہا ہے"

اس نے مور کاٹا۔ سامنے سے آنے والی گاڑی سے ٹکر ہوتے ہوتے بچی۔

"پر مجھے پتہ ہے۔ میں نے حفاظت کے لیے تم دونوں کی گاڑیوں پر ٹریکر لگایا تھا۔ میں تمہیں لوکیشن سینڈ کرتا ہوں" مراد نے کہا۔

زار نے گاڑی روک دی۔ منزل آگئی تھی۔ اس نے ایک دفع پھر فون پر لوکیشن دیکھی۔ یہ وہی جگہ تھی۔ اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور باہر آئی۔

لوکیشن ایک چرچ کی تھی۔

"ولی بھائی تو کرسیچن نہیں ہے تو پھر چرچ کیو" حیانے پوچھا۔

"زارا خان کرسیچن تھی۔ پاکستان میں اس کی قبر نہیں ہے شاید اس لیے وہ وہاں گئے ہیں" عمر نے وضاحت دی۔

زار نے گردن اونچی کر کے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ چرچ کے بالکل سامنے ایک پارک تھی۔ اس علاقے میں زیادہ لوگ نہیں تھے۔ ارد گرد اتنی آبادی بھی نہیں تھی۔ ولی کی گاڑی سامنے ہی موجود تھی۔

زارا چرچ کے اندر گئی۔ چرچ تقریباً خالی تھا۔ کچھ لوگ ہی وہاں موجود تھے۔ وہ وہاں نہیں تھا۔ اس نے ہر طرف دیکھا۔ وہ پادری کے پاس گئی اور اپنے فون کے والیپپر سے ولی کی تصویر دیکھائی۔

"یہ یہاں آیا تھا"

"جی آیا تھا۔ کسی کے لیے دعا کروائی۔ کینڈل جلائی۔ کافی گھنٹے یہاں بیٹھا رہا۔ پھر چلا گیا" انہوں نے سوچتے ہوئے بتایا۔

"کب گیا اور کہا" بے صبری سے پوچھا گیا۔

"تقریباً ایک گھنٹہ پہلے۔ کہا گیا یہ معلوم نہیں" انہوں نے کہا۔  
 زارا فوراً وہاں سے نکلی۔ چرچ کے باہر آکر اس نے ارد گرد دیکھا۔ ولی کی گاڑی وہی تھی لیکن وہ خد غائب تھا۔

زارا کا دل بیٹھ رہا تھا۔ اسے ڈر لگ رہا تھا۔ کہیں پھر سے۔ اس سے آگے وہ سوچ نہیں سکی۔ اس کی نظر جب پارک پر پری تو امید لے کر وہاں بھاگی۔  
 اندر داخل ہو کر اس نے یہاں وہاں دیکھا۔ وہ وہاں تھا۔ اسے نظر آگیا تھا۔ تو جیسے اسے سانس آگیا تھا۔  
 "ولی" اس نے تھک کر پکارا۔ آواز اتنی دھیمی تھی کہ اسے خد کو بہت مشکل سے سنائی دی۔  
 وہ بیچ پر بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ دوسری طرف تھا۔ یہاں سے اس کے بھورے گھنگھرا لے بال نظر آرہے تھے۔

بھیچ میں صرف چند قدموں کا فاصلہ تھا۔  
 لیکن زارا آفندی کو وہ میلوں کا لگ رہا تھا۔  
 اس نے ایک قدم آگے بڑھایا تو ایسے لگا جیسے بہت تھک گئی ہو۔  
 دل میں ایک ڈر تھا۔  
 "اگر آج اس کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت نظر نہ آئی تو؟"

یہ سوال لاشعوری میں اس کے دل میں آیا تھا۔  
 تو جیسے پورے وجود میں تکلیف پھیل گئی۔  
 بہت مشکل سے اس نے چند قدم کا فاصلہ عبور کیا۔  
 ابھی بھی چند قدم رہتے تھے لیکن زارا آفندی کی ہمت ختم ہو گئی تھی۔  
 "تم نے ٹھیک نہیں کیا میرے ساتھ ولی احمد" زارا اپنی پوری قوت لگا کر بولی۔

ولی فوراً اپنی جگہ سے اٹھا۔

"زارا تم یہاں" اس نے پوچھا۔

اب وہ دونوں آمنے سامنے تھے۔ درمیان میں صرف چند قدموں کا فاصلہ تھا۔ اب یہ فاصلہ ولی احمد کو پار کرنا تھا۔

اور اس نے کر لیا۔

ایک قدم۔

دو قدم۔

اور تین قدم...

اور ولی احمد نے زارا آفندی کے ڈر کو ختم کر دیا۔ ہمیشہ کی طرح۔

"تم نے مجھ سے اتنی بڑی بات چھپائی"

"میں نے کچھ بھی نہیں چھپایا بس کبھی موقع ہی نہیں ملا" اس نے کہا۔

"میں تمہیں اس کے لیے معاف نہیں کروں گی" زارا نے غصہ سے کہا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"ابھی تم جاؤں یہاں سے۔ ہم کل بات کرے گے"

"کیسے چلی جاؤں۔ میں نے وعدہ کیا تھا۔ کبھی چھوڑ کے نہیں جاؤں گی۔ اور زارا آفندی کو ولی احمد کی زندگی

سے کوئی نہیں نکال سکتا۔ خد ولی احمد بھی نہیں" زارا نے یہ الفاظ غصہ سے ادا کیے تھے پھر بھی یہ ولی احمد

کے چہرے پر مسکراہٹ لے آئے۔

وہ ایک قدم اور آگے بڑھا۔ اور اس کا ہاتھ تھاما اور لے جا کر بیچ پر بیٹھایا۔ اور خد بھی بیٹھ گیا۔

"لیکن میں تمہیں معاف نہیں کروں گی" زارا نے ابھی بھی غصہ سے کہا۔

لیکن حقیقت تو یہ تھی کہ اسے غصہ نہیں آ رہا تھا۔

ولی نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے خاموشی سے اس کی گود میں سر رکھ دیا۔ اور ٹانگیں اوپر کر لی

-

تھوڑی دیر تو زارا اہل نہ سکی۔ کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

پھر خد ہی ولی نے اس کا ہاتھ اپنے گھنگھرا لے بالوں پر رکھا۔ جس کا مطلب سمجھتے ہوئے۔ زارا نے اس کے بال سہلانے شروع کیے۔

"تم نے مجھ سے نکاح میرے نام کی وجہ سے کیا تھا" اپنے ذہن میں موجود آخری خدشہ بھی اس نے کہ دیا

-

"نہیں۔ جب پہلی دفع میں نے تمہارا نام جانا تو مجھے شدید حیرانی ہوئی۔ پھر بعد میں میں نارمل ہو گیا۔ تم سے نکاح سے پہلے ہی مجھے محبت ہو گئی تھی لیکن تب میں اپنے جذبات سے بھاگتا تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ میں نے قبول کر لیا" ولی نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"تم مجھ سے محبت کرتے ہو یا زارا خان سے" پتہ نہیں کیوں لیکن پھر بھی وہ یہ سوال کر بیٹھی تھی۔ ولی چند لمحے خاموش رہا۔ پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

زارا کو لگا وہ چلا جائے گا۔

لیکن اس نے اس کے دونوں ہاتھوں کو تھاما اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہنا شروع کیا۔

"زارا آفندی آج میں ولی احمد سچے دل سے اقرار کرتا ہوں کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں"

"میں تم سے تمہارے چہرے سے یا وجود سے نہیں بلکہ تمہاری روح سے عشق کرتا ہوں"

اور زارا آفندی کے سارے الفاظ ختم ہو گئے۔ یہ شخص اسے ایسے ہی لاجواب کرتا تھا۔ اپنی محبت سے۔

"زارا خان میرا پاسٹ تھی اور تم میری زندگی ہو میرا آج ہو میرا کل ہو۔ اس لیے اپنے دل سے ہر طرح کا

وہم نکال دو"

"چلے" زار نے پوچھا۔ وہ اس وقت یہی کہہ سکتی تھی۔  
 "ہاں چلو"

حیا کب سے عمر کو ڈھونڈ رہی تھی جب وہ اسے ڈاکٹر ولی احمد کے روم میں نظر آیا۔  
 وہ گہرا سانس لے کر اندر آئی۔ وہ کرسی پر بیٹھا اپنے خیالات میں گم تھا۔ ظاہر ہے وہ اپسٹ تھا۔  
 حیا اس کے سامنے والی کرسی پر آکر بیٹھی۔  
 "عمر آپ کیوں پریشان ہے"

"میں ولی کے لیے پریشان ہوں۔ اتنی مشکل سے وہ زندگی کی طرف آیا تھا۔ مجھے لگا تھا اس نے موو آن کر لیا ہے۔ لیکن آج اس نے مجھے غلط ثابت کر دیا" اس نے افسوس سے کہا۔  
 "ہو سکتا ہے ہم جیسا سوچ رہے ہو ویسا نہ ہو۔ شاید حقیقت اس کے الٹ ہو"  
 "اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ میں اپنے بھائی سے بہت محبت کرتا ہوں حیا" اس نے بے بسی سے کہا۔  
 "میں جانتی ہوں۔ آپ اپنے ہر رشتے سے مخلص ہوتے ہیں۔ مجھے آپ کی یہی عادت تو پسند ہے"  
 "اچھا اور کیا پسند ہے میرے بارے میں" عمر عبید اپنے موڈ میں واپس آ گیا تھا۔  
 "کچھ بھی نہیں" حیا فوراً جھنجھلا کر جانے لگی تو عمر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس بیٹھا لیا۔  
 یہ منظر مراد کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ اس نے تکلیف اور غصہ کے ملے جلے تاثر سے اپنی مٹھی سختی سے میچ کی۔

وہ بہت غصے سے وہاں سے زار کے روم میں گیا۔  
 دروازہ بند کر کے وہ باتھ روم میں گیا۔

اس نے شدید غصے سے اپنے ہاتھ کی میٹھی دیوار پر ماری۔  
 جس سے کل کے لگے ہوئے کٹ کھل گئے اور روانی سے خون بہنے لگا۔ لیکن وہاں پرواہ کسے تھی۔  
 مراد نے نل کھول کر اپنا ہاتھ پانی کے نیچے کر دیا۔ تو سنک میں سارا پانی لال ہو گیا۔  
 سیاہ آنکھیں غصہ اور تکلیف کی شدت سے سرخ ہو گئی تھی۔  
 خن رک چکا تھا۔  
 مراد نے پانی چھٹے اپنے چہرے پر ڈالے۔ اب وہ سنک پر ہاتھ رکھ کر گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔  
 اس نے شیشے میں اپنا عکس دیکھا۔  
 آنکھوں میں آنسوؤں آگئے تھے۔  
 کیپٹن مراد ابرہیم کی آنکھوں میں آنسوؤں تھے۔ بے بسی کے۔ ازیت کے۔ تکلیف کے۔  
 محبت انسان کو کتنا بے بس کر دیتی ہے نہ۔ جسے آپ چاہوں وہ آپکے سامنے کسی اور کو میسر ہو یہ دل کو کہا  
 منظور ہوتا ہے۔  
 مراد نے آنکھیں سختی سے میچ لی۔ گرم گرم مایا ابھی بھی چہرے پر بہ رہا تھا۔ وہ نڈھالی سے پیچھے ہٹا گیا اور  
 دیوار کے سہارے کھڑا ہو گیا۔  
 آنسوؤں آنکھوں سے متواتر بہہ رہے تھے۔  
 "ایک طرف اسے کھونے کا خوف اور تکلیف ہے دوسری طرف کسی بے گناہ کی جان لینے کا گلٹ ہے"  
 "یا اللہ میں کیا کروں"  
 محبت آسان تھوڑی ہے!  
 محبت کی تو یہی ریت ہے مضبوط سے مضبوط شخص کو توڑ دینا۔  
 محبت آسان تھوڑی ہے.....



عمل نے آج گھر میں قدم رکھا تو اسے اپنے صحن کے پھولوں کی خوشبو محسوس ہوئی۔  
یہ خوشبو روز آتی تھی۔ لیکن آج یہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔  
بلکہ آج عمل خان کو ہر چیز بہت اچھی لگ رہی تھی۔ کیونکہ کہ وہ بہت خوش تھی۔  
اس کامیڈیکل کالج میں ایڈمیشن ہو گیا تھا۔ ایک ہفتہ بعد کلاس سٹارٹ تھی۔ ڈاکٹر عمل خان۔  
گاناکالوجسٹ بننے جا رہی تھی۔  
اس نے دھڑکے جا کر امی کے گلے لگایا۔ وہ جو بچن میں جا رہی تھی اسکی اس حرکت پر حیران رہ گئی۔  
"طبیعت ٹھیک ہے تمہاری"  
"ارے امی بالکل ٹھیک ہوں بلکہ میں آج بہت خوش ہوں۔ کیونکہ میں گاناکالوجسٹ بننے والی ہوں" اس  
نے انسے الگ ہوتے ہوئے بتایا۔  
"کیا یعنی کہ سب تم اور تین سال شادی نہیں کرو گی" اما کو تو صرف شادی کی فکر تھی۔  
"اتنی مہنگی پڑھائی کا خرچہ کون کرے گا" اس کے بابا جو سب سن چکے تھے انہوں نے باہر آ کر سوال کیا۔  
عمل کا تو جیسے دل ٹوٹ گیا۔ اس کے ماں باپ کو اس کی خوشی سے زیادہ شادی اور پیسوں کی فکر تھی۔ اس  
نے اپنے آنسوؤں پر قابو پا کر بہت مشکل سے کہا۔  
"میں پارٹ ٹائم جاب کر کے خد اپنی پڑھائی کا خرچہ اٹھا لو گی۔ اور آپ لوگ میری شادی کو بھول جائیں۔  
ابھی چار سال تو میں شادی نہیں کرنے والی" کہہ کر وہ رکی نہیں فوراً اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔  
دروازہ بند کر کے وہ اپنے بیڈ پر بیٹھی اور ایک ایک کر کے اپنے حجاب سے پن اتارنے لگی۔ حجاب اتار تو  
اسکے بھورے بال بکھر گئے۔ اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسوؤں نکل رہے تھے۔

اس نے اپنی کھڑکی سے نظر آتے آسمان کو دیکھا۔ ان آنکھوں سے جن میں صرف شکوہ تھا۔ دل ٹوٹنے کا دکھ تھا۔ سوال تھا۔

"اللہ میں جب جب مودا آن کرنے کی کوشش کرتی ہو تو میرے ساتھ ایسا کیو ہوتا ہے" اسکی ہچکیاں بلند ہو رہی تھی۔

"کیو آپکے بندے مجھ سے محبت نہیں کرتے۔ مراد بھی نہیں"

"کیا میں اس قابل بھی نہیں کہ اس پوری دنیا میں ایک شخص صرف ایک شخص مجھ سے محبت کرے۔ مجھے سمجھے۔ میری خوشی میں خوش ہو۔ جس کے لیے میں خاص ہوں۔ اللہ کیا میں اتنی بری ہوں؟"

وہ رہ رہی تھی شکوہ کر رہی تھی۔ اللہ سے کہ رہی تھی۔

تکلیف کم نہیں ہو رہی تھی۔ دل میں درد ہو رہی تھی۔

ہوتے ہیں کچھ لوگ اس دنیا میں جن کی زندگی میں تنہائی لکھ دی جاتی ہے۔ وہ ایسے ہی تڑپتے ہیں لیکن پھر ایک دن وہ بہت مضبوط بن جاتے ہیں۔

اور پھر مضبوط ہونے کے لیے ایک بار ٹوٹنا تو پڑتا ہے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

18 مارچ، اتوار کا دن

یہ صبح کافی مختلف تھی۔ آج کی صبح ہر کسی پر الگ کیفیت لے کر آئی تھی۔ اور ان کہی طریقہ سے اگلے دن کے لیے خبردار بھی کر رہی تھی۔ لیکن کوئی سمجھے تو نہ۔

اگر مراد کے اپارٹمنٹ میں دیکھا جائے تو نور ہادی اس وقت لانچ میں جھاڑوں مار رہے تھے اور کیپٹن مراد ابرہیم کچن میں برتن دھو رہے تھے۔

اور ساتھ ہی وہ دونوں باتوں میں مشغول تھے۔

"کیسا کیسا وقت آگیا گھر آئے مہمان سے صفائی کروائی جا رہی ہے" ہادی نے صوفے کے نیچے جھاڑوں مارتے ہوئے آہ بھری۔

"وہ کون کہہ رہا تھا کہ یہ میرا گھر ہے میرے دوست کا گھر ہے اور یہ بھی کہ میں اپنا گھر سمجھ کر صفائی کروں گا" مراد نے اسے اس کی ساری باتیں یاد کروائی۔

"ہاں تو میں نے کہا تو اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ تم مجھے کام سے روکو ہی نہ"

"جی میں آپ کو بالکل نہیں روکوں گا جلدی کروں ابھی کپڑے بھی دھونے ہیں"

"اللہ پوچھے تمہیں ظالم انسان مجھ پر ظلم کرتے ہو" ہادی نے محلے کی آنٹی کی طرح بددعا دی۔ لیکن توقع کے برعکس کوئی جواب نہیں آیا۔ ہادی جانتا تھا مراد پریشان ہے۔

وہ جھاڑوں رکھ کر کچن میں گیا اور شلف پر بیٹھ گیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"تم نے فیصلہ کر لیا"

"کیسا فیصلہ" مراد نے مصروفیت سے جواب دیا۔

"اس کے بغیر رہنا ہے۔ یہ اس کے ساتھ"

مراد کے کام کرتے ہاتھ رک گئے۔ خاموشی ہو گئی ہر سو۔

مراد نے ہاتھ دھوئے اور پلٹا۔

"مجھے کیا کرنا چاہیے تم بتاؤ"

"تمہیں ایک دفعہ کوشش کرنی چاہیے" ہادی نے کہا۔

"بے کار ہے وہ اس شخص کی محبت میں آندھی ہے"

"اگر یہی سوچتے رہو گے تو کیسے کرو گے یہ سب" ہادی سچ میں اس کے لیے پریشان تھا

"اگر میں اسے بتاؤں گا تو کیا وہ سچ میں" مراد نے سوچتے ہوئے امید سے کہا۔

"بعد کا مت سوچو ابھی کا سوچو" عمر نے کہا۔

"میں جا رہا ہوں" مراد مسکرا کر فوراً اپرن اتار کر بھاگا۔ چینیج کیا اور چابیاں لے کر گھر سے چلا گیا۔ عمر اسے مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔

جب اس کی نظر بکھرے ہوئے گھر پر پری۔

"ابے آو صفائی کون کرے گا" عمر چیخا لیکن پب تک مرد جا چکا تھا۔

"ہیلو حیاتم کہا ہو۔ مجھے تم سے فوراً ملنا ہے" مراد نے بلڈنگ سے باہر نکلتے ہی حیا کو فون کیا۔

"میں زارا آپ کے گھر ہوں۔ آج کا سارا دن یہی گزاروں گی تم بھی یہی آ جاؤں"

"ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں" مراد نے کہہ کر فون کاٹ دیا۔

دوسری طرف موجود حیا نے تعجب سے فون دیکھا۔

"کون تھا" عمل نے پوچھا۔ عمل اپنے ایڈمیشن کی خبر دینے زارا سے ملنے آئی تھی۔

"مراد تھا۔ کافی جلدی میں لگ رہا تھا۔ وہ یہاں آ رہا ہے"

"چلو یہ تو اچھا ہے بابا بھی اس کا پوچھ رہے تھے" زارا نے کہا۔

اس وقت وہ تینوں لاؤنچ میں بیٹھے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں مراد وہاں پہنچ گیا۔

"اسلام علیکم"

"وعلیکم السلام" زارا اور حیا نے جواب دیا۔

عمل نے خاموشی سے نظریں جھکالی۔ وہ اس شخص کو جتنا دیکھتی تھی اتنی تکلیف ہوتی تھی۔

"بابا کافی یاد کر رہے تھے تمہیں" زارا نے کہا۔

"میں ان سے ملکر آتا ہوں" مراد کہہ کر چلا گیا۔

"میں کچن سے ہو کر آتی ہوں" زارا کہہ کر کچن کی جانب گئی۔

"عمل بیٹھوں میں آتی ہوں" حیا کو جب یاد آیا کہ مراد نے اس سے بات کرنی تھی تو فوراً اس کے پیچھے گئی۔

حیا جیسے علی آفندی کے کمرے کے باہر پہنچی تو مراد کو باہر نکلتے دیکھا۔

"کیا ہوا آج زیادہ باتیں نہیں ہوئی" اس کا اشارہ ان کی دوستی کی طرف تھا۔

"وہ سو رہے تھے"

"تم نے کوئی بات کرنی تھی"

"ہاں چلو زارا کے روم میں چلتے ہیں" مراد کہہ کر زارا کے روم کی جانب بڑھا۔ تو حیا بھی اس کے پیچھے گئی۔

روم میں جا کر مراد صوفے پر بیٹھ گیا۔ تو حیا بیڈ پر۔ کمرے کا دروازہ ادکھلا تھا۔

"کیا کہنا تھا" حیا نے پوچھا۔

مراد نے گہرا سانس لیا۔ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا کہے۔

"دیکھو حیا۔ میری بات پر غصہ نہ کرنا۔ میں جو بھی کہو گا اسے تحمل سے سننا" مراد نے ٹھہر ٹھہر کہا۔

عمل جو روم سے اپنا بیگ لینے آئی تھی وہ مراد کی آواز سن کر رک گئی۔ ادکھلے دروازے سے اندر کا منظر واضح طور پر نظر آرہا تھا۔

"ہاں بولو"

"حیا میں تم سے محبت کرتا ہوں" ان الفاظوں نے جہا حیا آفندی کو حیران کیا تھا وہی باہر کھڑی عمل خان بھی ہل کر رہ گئی تھی۔

"میں نے جب تمہیں پہلی بار دیکھا تھا میں تب ہی تمہاری محبت میں گرفتار... "مراد ابھی کہ رہا تھا۔ جب حیا کھڑی ہو گئی اور اسے روک دیا۔

"اس سے آگے کچھ مت کہنا مراد"

"حیا میری فیلنگس سچی ہیں" مراد بھی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"تم جانتے ہو میں عمر سے محبت کرتی ہوں" حیا نے غصہ سے کہا۔ وہ بہت مشکل سے خد کو کچھ غلط کہنے سے روک رہی تھی۔

"حیا پلیس ایک دفع صرف ایک دفع میرے بارے میں سوچوں میں تمہارے بغیر مر جاؤں گا" سیاہ آنکھوں میں دنیا جہاں کی تکلیف تھی۔

"اور میں عمر کے بغیر مر جاؤں گی"

"اور میں جو مر رہی ہوں؟" باہر کھڑی ٹوٹی بکھری عمل نے کہا۔ آنکھ میں ایک بھی آنسو نہیں تھا۔ وجود ساکت تھا۔ دل میں تکلیف بڑھی تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ لگتی زمین پر بیٹھ گئی۔

"سناتم نے مراد ابرہیم میں مر جاؤں گی عمر کے بغیر۔ تمہیں اگر مجھ سے اتنی محبت ہے تو مجھے بھول جاؤں" کچھ بہت زور سے ٹوٹا تھا۔ مراد ابرہیم کے دل میں۔ جیسے کسی نے دل کو چیر دیا ہو۔

"خدا کے لیے حیا"۔ تکلیف کے باعث بس وہ اتنا ہی کہ سکا۔

"پلیس مراد میں تمہاری منت کرتی ہو۔ تمہیں تمہاری محبت کا واسطہ ہے میرے اور عمر کے درمیان سے

نکل جاؤں" کہ کر حیا چلی گئی۔ اس کی باہر دیوار کے ساتھ بیٹھی عمل پر نظر ہی نہیں پڑی۔

اندر مراد ابرہیم لر کھرا کر زمین پر بیٹھ گیا۔

اس کی بائیں آنکھ سے آنسو نکلا اور پھسلتا ہوا زمین پر گرا۔  
 سیاہ آنکھوں میں کرچیاں تھیں۔ خواب ٹوٹنے کی۔ دل ٹوٹنے کی۔  
 عمل کو سانس لینے میں مسئلہ ہو رہا تھا۔ دل ٹوٹنے کی تکلیف روح میں گھس رہی تھی۔  
 وہ صحیح تھی محبت اس کے لیے صرف تکلیف کا باعث بنی تھی۔

کتنی عجیب بات ہے نہ وہ جسکی محبت میں تڑپ رہی تھی، وہ کسی اور کی محبت میں تڑپ رہا تھا، اور وہ جس کے  
 لیے تڑپ رہا تھا وہ کسی اور سے محبت میں مبتلا تھی۔۔۔  
 یہی تو زندگی ہے۔۔۔

زارا جب لاؤنچ میں آئی تو وہاں کوئی نہیں تھا۔  
 سکینہ بی بی سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ تینوں جا چکے ہیں۔  
 "تعب کی بات ہے ایسے اچانک کیوں چلے گئے"  
 "پتہ نہیں بی بی۔ پہلے حیا بی بی گئی۔ تھوڑی دیر بعد عمل بی بی اور پھر مراد صاحب بھی چلے گئے"  
 زارا کو کافی حیرانی ہوئی۔ وہ ان کو فون کرنے کے غرض سے اپنے روم میں گئی تو پیچھے سے دوبارہ سکینہ  
 بی بی آگئی۔

"بی بی آپ سے ملنے ماہ نور بی بی آئی ہیں"  
 یہ الفاظ ہی کافی تھے زارا کو چونکانے کے لیے۔  
 وہ لاؤنچ میں گئی تو ماہ نور سامنے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ چرہ ہا کر بیٹھی تھی۔

زارا بھی دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔  
 دونوں کے درمیان خاموشی حائل تھی۔  
 پھر ماہ نور آفندی بولی۔  
 "کیسی ہو زارا؟"

"جو کہنے آئی ہو کہو اور جاؤں یہاں سے" زارا نے اس کی بات کو مکمل نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔  
 جس پر ماہ نور آفندی کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔  
 کچھ تو غلط تھا۔ زارا کا دل کہ رہا تھا کہ کچھ برا ہونے والے ہے۔  
 "کچھ خاص نہیں بس تمہیں یاد کروانے آئی تھی کہ کیسے چار سال پہلے عامر نے تمہیں چھوڑا تھا"  
 "اس کا مقصد" زارا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"مقصد یہ ہے کہ۔ تاریخِ خد کو دہرانے لگی ہے"  
 "بکو اس بند کرو اپنی" زارا نے غصہ سے کہا۔  
 لیکن ماہ نور پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ ویسے ہی اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجائے کہ رہی تھی۔  
 "دیکھنا زارا بہت جلد ولی تمہیں خد چھوڑے گا۔ وہ خد کہے گا کہ اسے تم سے محبت نہیں ہے۔ بہت جلد"  
 اس کے لہجے میں صرف نفرت تھی۔  
 "ایسا کبھی نہیں ہو گا" یقین سے کہا گیا۔

"ایسا ہو گا اور ضرور ہو گا۔ میں تم سے صرف یہ کہنے آئی ہو کہ کیو ہمیشہ خد کو ذلیل کرواتی ہو اس دفع خد ہی  
 راستے سے ہٹ جاؤں" ماہ نور نے سفاکی سے کہا۔  
 "تمہیں کیا لگتا ہے میں تمہاری باتوں میں آ جاؤں گی"



"میں سچ کہہ رہی ہوں اور وقت یہ ثابت کرے گا" ماہ نور نے اعتماد سے کہا۔ غرور اور آنا سے اس کی گردن بلند تھی۔

"میں تمہیں بتاؤں ولی مجھ سے کتنی محبت کرتا ہے۔ اگر اسے پتہ چل جائے کہ تم یہاں بیٹھی یہ بکو اس کر رہی ہو تو وہ تمہیں اس قابل نہیں چھوڑے گا کہ تم کبھی اپنے منہ سے کوئی الفاظ نکال سکو" زارا نے ایک ایک لفظ پر ضرور دے کر کہا۔ اس کا لہجہ مضبوط تھا۔

"یہ تو وقت بتائیں گا" ماہ نور نے ہٹ دھرمی سے کہا

زارا صوفے سے اٹھ گئی۔

"دفع ہو جاؤں میرے گھر سے"

"جار ہی ہوں لیکن میرے الفاظ یاد رکھنا" ماہ نور آفندی یہ کہہ کر لی گئی۔

اس کے جانے کہ بعد زارا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"یہ ضرور کچھ کئے والی ہے"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

ماہ نور جیسے ہی آفندی ہاؤس سے باہر آ کر گاڑی میں بیٹھی تو اس کے تاثرات بدل گئے۔ اس نے فوراً مراد کو کال ملائی۔

مراد اس وقت اندھیرے اپارٹمنٹ میں اکیلا بیٹھا تھا۔ ہادی اس وقت گھر پر نہیں تھا۔ وہ اپنے کمرے کے فرش پر بیٹھا تھا۔ کمرے کی ہر چیز بکھری ہوئی تھی۔ وہ بے سود سا بیٹھا خلا میں دیکھ رہا تھا۔ سیاہ آنکھیں سرخ ہوئی تھی۔

جب اس کے فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے بغیر نام دیکھے فون اٹھایا۔ تو ماہ نور کی آواز گونجی۔  
 "میں پلین کے مطابق ابھی زارا سے مل کر آئی ہوں۔ لیکن اسے تو ولی پر پورا بھروسہ ہے۔ مجھے نہیں لگتا ہم  
 یہ کر پائے گے"

ماہ نور نے پریشانی سے کہا۔

"کچھ بولو بھی مراد" دوسری طرف سے خاموشی پا کر وہ بولی۔  
 "میں نے جیسا کہا ہے ویسے کرو۔ اگر میرے پر یقین نہیں ہے تو اپنا کام خد کر لوں" مراد نے سرد مہری سے  
 کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ تمہیں پتہ ہے نہ اگلا کام تمہارا ہے"

"مراد ابرہیم کو اپنا ہر کام معلوم ہوتا ہے۔ تم کل کی تیاری کرو" مراد نے کہہ کر فون کاٹ دیا۔  
 دوسری طرف ماہ نور کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ آئی۔

ہادی جب گھر آیا تو کمرے کی حالت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کوئی بھی ہوتا تو ایسے ہی حیران ہوتا کیونکہ مراد  
 ابرہیم جیسا صفائی پسند انسان اور اتنی گندگی۔

جب اس کی نظر مراد کے بے حس و حرکت وجود پر پری تو وہ ہل کر رہ گیا۔ اس کی آنکھیں لال ہوئی تھی  
 اور وہ دور خلا میں دیکھ رہا تھا۔

ہادی اس کے پاس جا کر دوڑا تو ہو کر بیٹھا۔

"مراد کیا ہوا ہے ایسے کیو بیٹھے ہو"

مراد نے اس کی طرف چہرہ پھیرا تو ہادی اس کی آنکھوں میں نہ دیکھ سکا۔ ایسا لگتا تھا جیسے سب مر گیا ہو۔

"اس نے میری منت کی کہ میں اسے بھول جاؤں"

اس کی بات سن کر ہادی کو سمجھ آئی اس کی حالت۔ ہادی کو بہت تکلیف ہو رہی تھی یہ سوچ کر کے مراد تکلیف میں ہے۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا میرے بھائی" یہ تو ہادی بھی جانتا تھا اب کچھ ٹھیک نہیں ہو گا۔  
 "میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میری سمجھو ہادی۔ ہادی دیکھو میرے دل میں درد ہو رہی ہے۔ کچھ کرو"  
 مراد رو پڑا تھا۔

ہادی سے مراد کی یہ حالت برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اگر اس کے بس میں ہوتا تو وہ مراد کو حیا لا دیتا۔  
 "سب ٹھیک ہو جائے گا"

"کیسے ٹھیک ہو گا۔ اس نے مجھے ٹھکرا دیا۔ ہادی وہ کہتی ہے تمہیں اپنی محبت کا واسطہ مجھے بھول جاؤں۔ میں اسے کیسے بھول جاؤں۔ میں تو اس کے بغیر زندہ لاش ہوں"  
 سیاہ آنکھوں سے آنسو نہیں رہے تھے۔

"بس میرے بھائی سب ٹھیک ہو جائے گا" اس کی اس بات پر مراد نے آنسو صاف کیے اور گہرے سانس لیے۔ اور جب بولا تو کہا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE  
 "کچھ ٹھیک ہو یہ ناہو اب میں عمر کو مار دوں گا اور پھر بھی حیا نے مجھے قبول نہ کیا تو میں اسے بھی مار دوں اور خد کو بھی ختم کر لوں گا" اس کی سیاہ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

وہ شوک کے سیٹج سے نکل کر۔ غم کا سیٹج پورا کر کے۔ بدلے کے سیٹج میں آچکا تھا۔

"کیسی باتیں کر رہا ہے تو کیسے اتنے لوگوں کی زندگی کا فیصلہ کر سکتا ہے اور تو وعدہ کر تو خد کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گا وعدہ کر" ہادی اس کے ارادوں سے ڈد گیا تھا۔

"عمر کے مرنے کے بعد تو سب غم منائے گے۔ اگر مراد ابرہیم مر بھی جائے تو اس کے لیے کوئی رونے والا نہیں ہو گا" نا جانے کس قرب سے وہ یہ کہہ رہا تھا۔

"تو چھوڑ ساری باتیں اٹھ سو جا۔ تجھے ابھی آرام کرنا چاہیے۔ ابھی تو ہوش میں نہیں ہے"

ہادی نے مراد کو دو نیند کی گولیاں کھلائیں اور کمرے سے چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد وہ اٹھ گیا اسے ابھی ایک اور کام کرنا تھا۔ اب اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

اس نے فون پر ولی کو کال کی۔

ولی جو اس وقت سونے والا تھا مراد کی کال دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گیا

"ہیلو"

"سو تو نہیں گئے تھے"

مراد نے پوچھا لیکن ولی کو اس کا لہجہ الگ لگا۔

"نہی تم کہو سب خیریت"

"نہیں۔ میں اس انجام تک پہنچاؤں کہ تمہارا دشمن ماہ نور آفندی ہے"

اس کی یہ بات ولی کو ششدر کرنے کے لیے کافی تھی۔

"مجھے پہلے ہی شک تھا اس عورت پر۔ اسے تو میں نہیں چھوڑوں گا" ولی نے غصہ سے کہا۔

"ابھی نہیں۔ مجھے ذرا راع سے پتہ چلا ہے کہ اس نے کل زارا کو جان سے مارنے کی پلاننگ کی ہے" مراد

نے ایک اور خبر دی

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں زارا کو کچھ نہیں ہونے دوں گا" زارا کو کھونے کا خیال ہی ولی احمد کے لیے جان لیوا

تھا۔

"تم اب ویسا کرو جیسا میں کہ رہا ہوں"

"ہا بولو"

"پہلے نمبر پر تو تم زارا کو کچھ نہیں بتاؤں گے۔ میں نہیں چاہتا وہ ڈر جائے۔ دوسرا تم زارا کو کسی بھی طریقے سے راضی کرو کہ وہ کل سارا دن گھر میں گزارے۔ اس طرح ہم اسے پروٹیکٹ کر سکتے گے۔ پھر میں تم سے کل ملو گا اور پھر فیصلہ کرے گے کہ ماہ نور آفندی کا مسئلہ کیسے حل کرنا ہے"

"ٹھیک ہے جیسا تم کہہ رہے ہو میں ویسے کرتا ہوں"

یہ سن کر مراد نے فوراً فون کاٹ دیا۔  
ولی کو تو راجحیب لگا لیکن اس نے انکسور کیا۔  
سب کچھ اس کے پلان کے مطابق ہو رہا تھا۔ لیکن پھر بھی اسے کچھ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ جیسے اس کے اندر سب مر گیا ہو۔

اس نے سونے کی کوشش کی۔  
لیکن اب نیند کسے آنی تھی۔ مراد جب آنکھیں بند کرتا تو اسے حیا کی باتیں یاد آتی۔

زارا ابھی تک ماہ نور کی باتوں سے پریشان تھی۔ پھر اسے ولی نے بھی فون کر کے کہ دیا کہ وہ کل سارا دن گھر رہے۔ نہ اس نے ولی کو کچھ بتایا۔ نہ ولی نے اسے کوئی وجہ دی۔  
اسے بالکل نیند نہیں آرہی تھی۔ تو وہ تنگ آکر ٹیرس پر چلی گئی۔ آسمان بالکل تاریک تھا۔ کچھ تو بہت عجیب تھا۔

عمل بے سود بیڈ پر لیٹی تھی۔ وہ جب سے گھر آئی تھی ایسے ہی بیڈ پر لیٹی تھی۔ کمرہ لاک تھا۔  
اس کی آنکھ سے ابھی تک ایک آنسو نہیں نکلا تھا۔ لیکن دل خون کے آنسوؤں رو رہا تھا۔

وجود میں جیسے کچھ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ دماغ میں صرف ایک خیال آ رہا تھا۔ وہ تھی وہ چھڑی جو اس کے کمرے میں پھلوں کے پاس پری تھی۔  
 اس نے کئی بار سوچا۔ اور کئی بار خد کو روکا۔  
 وہ بستر سے نکلی اور اس چھڑی کو پکڑا۔ اسے اپنی نس تک لے کر گئی۔ اور پھر واپس لے آئی۔ اس نے غصہ سے وہ چھڑی پھینک دی۔ وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ تکلیف ہی تکلیف تھی۔  
 پھر اس کی نظر کھڑکی سے نظر آتے آسمان پر پری۔ تاریک آسمان پر۔  
 کیا نہیں تھا ان آنکھوں میں۔ تکلیف، شکوہ، درد، اذیت  
 وہ پھر سے بیڈ پر لیٹ گئی۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

عمر کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ عجیب سی بے چینی تھی جو اسے ہو رہی تھی۔ وہ کروٹ پر کروٹ بدل رہا تھا لیکن نیند نہیں آرہی تھی۔ صبح سے اس کی حیا سے بات نہیں ہوئی تھی۔ اور اب حیا فون نہیں اٹھا رہی تھی۔  
 BEING THE STRING OF YOUR KITE

حیا ابھی تک بیڈ پر بیٹھی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ مراد اس کے بارے میں ایسے سوچتا ہے۔ پہلے وہ غصہ میں تھی۔ لیکن اب اسے گلٹ ہو رہا تھا۔  
 "یا اللہ میں تو نہیں چاہتی تھی کسی کو مجھ سے یک طرفہ محبت ہو جائے۔ اور کوئی معصوم ساری زندگی میرا روگ منائے۔ اے اللہ میں تو چاہ کر بھی مراد کے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔ تو ہی مراد کی مدد کر"

ماہ نور اس وقت کمرے میں موجود اپنے جھولے پر بیٹھی تھی۔ پورا کمرہ دھونے دار ہوا تھا۔ وہ سگریٹ کے کش لگا رہی تھی۔ یہ سوچ کر کہ کل اس کا ایک وار پورا ہو جائے گا اسے خوشی کے مارے قرار نہیں آتا تھا۔ ایک شیطانیت تھی اس کے ہر عمل میں۔ جیسے کوئی بے وقوف شیطان ہو۔ حقیقت تو یہی ہے کہ شیطان بے وقوف ہے۔ شیطان ہمیشہ خدا کو صحیح سمجھتا ہے خدا کو سب کا حاکم سمجھتا ہے۔ اور پھر آخر میں برباد ہو جاتا ہے۔ اب چاہے وہ عرش کا شیطان ہو یہ فرش کا۔ شیطان تو شیطان ہوتا ہے۔ بے وقوف ہوتا ہے۔

ولی نے زارا کو تو سمجھا دیا تھا۔ لیکن یہ ڈر کے زارا کو وہ کہیں کھونہ دے اسے بے چین کر رہا تھا۔ وہ ایک زارا کو کھوچکا تھا۔ اب دوسری کو کھونے کا درد وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

سات افراد

سات مختلف کے جزبات۔

ڈر، گلٹ، بے چینی، ازیت، بدلہ، خوف، شیطانیت۔

سب کی رات تاریک تھی۔

سب کے اپنے غم تھے۔

سب کے اپنے پلان تھے۔

پر کون جانتا تھا کہ اگلی صبح ان کے ساتھ کیا ہونا۔  
 کس نے کیا کھونا ہے۔  
 کس کی زندگی نے برباد ہونا اور کس کی زندگی نے آباد ہونا ہے۔  
 یہ تو زندگی کے کھیل ہیں۔  
 اسی کا نام تو زندگی ہے.....

19 مارچ، پیر کا دن

ایک ایسی صبح جو سب کی زندگی بدلنے والی تھی۔ 19 مارچ۔ جس نے انسانوں کی سازشوں کو بدل کر سات  
 لوگوں کی زندگیوں کی کاپی پلٹنی تھی۔ کسی کو برباد ہونا تھا اور کسی کو آباد۔  
 کسی نے فنا ہونا تھا اور کسی نے زندہ لاش بننا تھا۔  
 کھیل شروع ہو چکا تھا۔  
 اب زندگی نے فیصلہ کرنا تھا۔

رات سب کی جاگ کر گزری تھی۔  
 ماہ نور گھر سے نکل گئی تھی۔ ایک شیطانی کام کا آغاز کرنے۔  
 انجام سے انجان۔



زارا اسی بے چینی سے گھر میں بند تھی۔

حیاریسٹورنٹ میں عمر کا انتظار کر رہی تھی۔

عمر گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ اسے بس جلد حیا کے پاس پہنچنا تھا۔ عجیب بے چینی تھی۔  
جب راستے میں دو گاڑیوں نے اسے آمنے سامنے سے گھیر لیا۔  
وہ گاڑی سے باہر نکلا۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتا پیچھے سے کسی نے اس کے سر پر وار کیا۔ وار اتنا زوردار تھا کہ  
عمر کے سارے مناظر دھندلا گئے اور پھر مکمل اندھیرا ہو گیا۔

Safar-e-Adab

حیا پچھلے ایک گھنٹے سے عمر کا انتظار کر رہی تھی۔ اب اس کا فون بھی بند آرہا تھا۔  
پتہ نہیں کیوں اس کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔ ایک عجیب سا وہم آرہا تھا۔

ولی گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ صبح مراد نے اسے ایک لوکیشن سینڈ کی تھی۔ اب مراد فون نہیں اٹھا رہا تھا تو ولی  
اسی جگہ اس سے ملنے جا رہا تھا جب اس کے فون کی گھنٹی بجی۔  
اسے لگا مراد کا میسج ہے لیکن وہ کوئی اجنبی نمبر تھا۔ جس سے اسے کچھ تصاویر بھیجی گئی تھی۔ ولی نے جب وہ  
تصاویر دیکھی تو اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔  
اس کی گاڑی کا آکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا۔ ولی نے گاڑی روک دی۔

تصاویر میں عمر ایک کرسی سے بندھا تھا۔ بے ہوشی کی حالت میں۔ اس کے چہرے پر زخموں کے نشان تھے۔ وہ گن پوائنٹ پر تھا۔ گن پکرے شخص کا صرف ہاتھ تصویر میں تھا۔ تبھی ولی کا فون بجا۔ اسی نمبر سے کال آرہی تھی۔

"It's long time Wali Ahmed" وہ اس آواز کو پہچانتا تھا۔ ولی کی رگیں تیز ہو گئی۔

"اگر میرے بھائی کو ہاتھ بھی لگایا تو میں تمہیں جان سے مار دو گا ماہ نور آفندی"

"ہا ہا ہا" آگے سے ماہ نور کا قہقہا بلند ہوا۔ جیسے وہ یہ سب بہت انجوائے کر رہی تھی۔

"تمہیں اڈریس سینڈ کیا ہے۔ وہاں آ جاؤں اور ہا آگر پولیس کو بلانے کی کوشش کی تو بھول جانا اپنے بھائی کو" ماہ نور نے چبا چبا کر کہا۔

"میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا"

ماہ نور فون کاٹ چکی تھی۔ ولی نے غصہ اور بے بسی کے عالم میں سٹیرنگ پر ہاتھ مارا۔

ولی ابھی راستے میں تھا جب اسے حیا کا فون آیا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس نے فون سپیکر پر ڈال دیا۔

"ولی بھائی آپ کو عمر کا پتہ ہے اس نے مجھے ریسٹورنٹ بلایا تھا۔ میں ایک گھنٹہ سے اس کا ویٹ کر رہی ہوں۔ اس کا فون بھی بند ہے"

"حیا عمر اگواہ ہو گیا ہے"

اور حیا آفندی کے تو جیسے پیروں سے زمین نکل گئی۔

"اور تمہیں پتہ ہے اس سب کے پیچھے تمہاری بہن ہے۔ اس نے مجھے بلایا ہے میں وہی جا رہا ہوں" ولی نے بتایا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا آپي ایسا کیسے کر سکتی ہے"

"تم زار کو ابھی کچھ نہیں بتاؤں گی۔ مراد نے بتایا ہے کہ آج زار کی جان کو خطرہ ہے"

"او میرے خدا یا اب کیا ہوگا" حیا نے پریشانی سے سر پکڑ لیا۔

"پتہ نہیں۔ مراد کا فون بند ہے۔ وہاں پہنچ کر یقیناً وہ میرا بھی فون لے لے گے" ولی کو اندازہ تھا

"میں پولیس کو لے کر آتی ہوں وہاں پر"

"رک جاؤں ابھی تم مراد سے رابطہ کرنے کی کوشش کرو" ولی نے کہا۔

فون بند ہو گیا۔ اس علاقے میں سگنل نہیں تھے۔

ماہ نور نے جو ڈریس بھیجا تھا وہ کافی سنسان تھا۔ یہاں الگ الگ گودام تھے۔ ولی نے گاڑی روکی تو سامنے دو

ہٹے کٹے مرد اس کے منتظر تھے۔ وہ اس کی طرف بڑھے۔

"ماہ نور بی بی سے ملنا ہے" ایک نے پوچھا۔

ولی نے سر ہلادیا

اس نے ولی کے آگے ہاتھ کیا۔

"فون دو اپنا" ولی نے خاموشی سے اپنا فون اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

ان دونوں نے اسے چلنے کا اشارہ کیا۔

چلتے چلتے وہ اسے ایک کھنڈر گودام کے اندر لے گئے۔ وہاں سے تھوڑا آگے جا کر اندر سے سیریا نیچے کی

طرف جاتی تھی۔ سیریا تر کر جیسے ہی ولی نے دیکھا تو وہاں ایک طویل بیسمنٹ تھی۔ ارد گرد گارڈ کھڑے تھے

۔ جب کہ ایک مرد الگ تھا۔ اس نے چہرے پر جو کر کا ماسک پہنا تھا۔ ولی کو وہ تھوڑا عجیب لگا۔ کیونکہ اس کا

حلیہ وہاں موجود تمام افراد سے الگ تھا۔

مراد نے جیسے ہی ولی کو دیکھا تو پتہ نہیں کیوں اس کے دل میں گلٹ ہوا۔ کہیں وہ کچھ غلط نہ کر رہا ہو۔

سامنے ہی ماہ نور کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھی تھی۔  
 دوسری طرف عمر کرسی پر بے ہوش بندھا بیٹھا تھا۔  
 ولی ماہ نور کی طرف بڑھا۔ ماہ نور نے اسے سامنے موجود کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔  
 "کیا چاہتی ہو تم" ولی نے سوال کیا۔

"موت"

"لیکن تم اس عمر کو بچا سکتے ہو" ماہ نور نے کہا۔  
 "کیسے"

"مجھے خوش کر کے" ماہ نور نے آرام سے کہا۔  
 ولی کو اس کی بات سمجھ نہیں آئی۔

"میں بتاتی ہوں۔ یہ سب شروع ہی تب ہو جب تم نے مجھے سب کے سامنے دو دفعہ ذلیل کیا۔ اب اگر تم  
 مجھے راضی کر لو تو یہ سب ٹھیک ہو سکتا ہے"  
 "مجھے کیا کرنا ہو گا" ولی نے پوچھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

ماہ نور نے اشارہ کیا تو ایک گارڈ آگے آیا اور ولی کے ہاتھ میں کچھ کاغذ دیے۔  
 "یہ کیا ہے"

"تمہی بس اس پر جو لکھا ہے اسے فیل کے ساتھ ریڈ کرنا ہے" ماہ نور نے کہا۔  
 ولی کو شدید غصہ آیا کیونکہ اس پر ماہ نور کی تعریفیں لکھی تھیں۔ ولی سمجھ گیا کہ یہ ایک انا پرست سائیکو  
 عورت ہے۔

"ماہ نور مجھے معاف کر دو میرے سے غلطی ہو گئی تم تو بہت اچھی ہو میں تو تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھ سے بات کی میرے نکاح پر آئی میں" ولی ہی جانتا تھا کہ وہ یہ الفاظ کس دل سے ادا کر رہا تھا۔ عمر کو ہوش آ رہا تھا۔ وہ نیم بیہوشی کی حالت میں ولی کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ کیسے بول رہے ہو۔ لہجے میں التجا لاؤں" ماہ نور نے اسے ٹوکا

تو ولی کی رگیں تن گئی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس عورت کا گلابادے۔

"میں ماہ نور کی بہت عزت کرتا ہوں اور" جیسے ہی ولی نے صفحہ پلٹا تو اگلے الفاظ دیکھ رہا وہ انہیں ادا نہیں کر سکا۔

"رک کیوگئے"

"اور میں زارا سے نفرت کرتا ہوں"

"بس" جب ایک دم ماہ نور چیخنی۔

"بہت شوک ہو رہا ہے نہ اپنے بھائی کی لاش دیکھنے کا۔ احسان کر رہے ہو مجھ پر ایسے بول کر" ماہ نور شدید

غصہ میں آگئی۔ جس پر جو کرکافیس ماکس لگائے مراد نے عمر پر گن تان دی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

یہ ولی کے لیے واضح بلیک میلنگ تھی کہ اگر وہ بات نہیں مانے گا تو عمر مر جائے گا۔

"اچھا میں ٹھیک سے پڑھتا ہوں" ولی گھبرا گیا۔ زارا کی خون آلود لاش اس کے ذہن میں گھومنے لگی۔

"میں زارا سے نفرت کرتا ہوں"

"دوبارہ۔ وہ بھی نفرت سے" ماہ نور نے پھر کہا۔ اور ساتھ ہی آنکھ کے اشارے سے اپنے گارڈ کو حکم دیا

۔ جس سے سمجھ کر وہ ولی کی آواز ریکارڈ کرنے لگا۔

ولی کو اس وقت جتنی نفرت ماہ نور سے ہو رہی تھی وہ ساری اس نے ان الفاظوں میں لگا دی۔

"میں زارا آفندی سے نفرت کرتا ہوں۔ وہ تو میرے لائق ہی نہیں ہے۔ میں بہت جلد اسے چھوڑ دوں گا۔ وہ لڑکی تو صرف ٹائم پاس کے قابل ہے۔ مجھے اس سے کوئی محبت نہیں"

ولی ابھی بھی بول رہا تھا۔ جب پیچھے سے ماہ نور کو اس کے گارڈ نے ڈن کا اشارہ کیا۔ ان کا کام ہو گیا تھا۔

زارا شذر سی ہاتھ میں فون لیے بیٹھی تھی۔ اسے رونگ نمبر سے وائس میسج آیا تھا جسے وہ تیسری دفع سن رہی تھی۔

"میں زارا آفندی سے نفرت کرتا ہوں۔ وہ تو میرے لائق ہی نہیں ہے۔ میں بہت جلد اسے چھوڑ دوں گا۔ وہ لڑکی تو صرف ٹائم پاس کے قابل ہے۔ مجھے اس سے کوئی محبت نہیں"

جتنی دفع سن رہی تھی تکلیف میں اصابہ ہو رہا تھا۔

"ایسا ہو گا اور ضرور ہو گا۔ میں تم سے صرف یہ کہنے آئی ہو کہ کیو ہمیشہ خدا کو ذلیل کرواتی ہو اس دفع خدا ہی راستے سے ہٹ جاؤں" ماہ نور کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجنے لگے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"ہو گیا جو تم چاہتی تھی۔ اب ہمیں جانے دو" ولی نے اس کے صفحات مکمل کر کے کہا۔

"تم کتنے بے وقوف ہو ولی" ماہ نور نے ہنس کر کہا۔

"اب تم اپنی آنکھوں سے عمر کو مرتادیکھو گے" ماہ نور کے اشارے پر گارڈ نے عمر پر گن تانی۔

دو گارڈ آگے بڑھے اور انہوں نے ولی کو پکڑ لیا۔

مراد کو گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

"میں عمر کے بغیر مر جاؤں گی"

حیا کے الفاظ مراد کے ذہن میں گونجے۔

"پلیس مراد میں تمہاری منت کرتی ہو۔ تمہیں تمہاری محبت کا واسطہ ہے میرے اور عمر کے درمیان سے نکل جاؤں" حیا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

مراد کو اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"مجھے آپ کی یہی عادت تو پسند ہے" حیا عمر سے کہہ رہی تھی۔

الفاظ گڈ مار رہے تھے۔

"تو کیسے اتنے لوگوں کی زندگی کا فیصلہ کر سکتا ہے" ہادی کہہ رہا تھا۔

"رک جاؤں" مراد چیخا تو سب اپنی جگہ رک گئے۔

"مراد" ولی نے بے آواز کہا۔

عمر کو بھی ہوش آچکا تھا۔ عمر کو رسیو سے آزاد کر دیا گیا تھا۔ وہ حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

جب مراد ابرہیم نے اپنا ماکس اتارہ۔

"مراد میرے ساتھ تھا پہلے دن سے اور تم لوگ بے وقوف" ماہ نور نے تنزیہ لہجے میں ولی سے کہا۔

"مراد تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو" ولی نے دکھ سے کہا۔

عمر کی آنکھوں میں بھی تکلیف تھی۔

مراد کو ندامت محسوس ہوئی۔

"عمر کو شوٹ کرو" ماہ نور نے حکم دیا۔

"نہیں ماہ نور عمر کو چھوڑ دو" مراد نے کہا۔

"تم میرے ساتھ غداری کا سوچنا بھی مت مراد ابرہیم" ماہ نور نے اسے تنبیہ دی۔  
گارڈ نے گولی چلا دی۔ گولی نکلی۔ عمر نے تکلیف سے آنکھیں بند کر لی۔ گارڈ نے ولی کو پکڑا ہوا تھا۔ وہ چیخا۔  
جب عمر کو تکلیف کا احساس نہیں ہوا تو اس نے آنکھیں کھولی۔  
کپٹن مراد ابرہیم اس کے آگے کھڑا تھا۔  
مراد کے سینے پر گولی لگی تھی۔ اس نے اپنے سینے کو چھوا اور دیکھا تو اس کا ہاتھ خون و خون تھا۔  
گارڈ نے دوبارہ شوٹ کیا۔  
ایک اور گولی مراد کے پیٹ میں گھسی۔ وہ تکلیف سے پیچھے کو اچھلا۔  
عمر نے اسے پکڑا اور وہ زمین پر گرنا چلا گیا۔ ولی مراد کی طرف بھاگا۔  
ارد گرد سے پولیس کے سائرن کی آواز آنے لگی۔ ماہ نور سمجھ گئی تھی اس لیے وہ فوراً بھاگی۔ پولیس اندر آگئی تھی۔ جب حیا اندر آئی اور اس نے یہ منظر دیکھا تو اسے اپنی بصارت پر یقین نہیں آیا۔  
"مراد" حیا چیختی ہوئی مراد کے پاس بھاگی۔  
حیا کو دیکھ کر مراد کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔  
تکلیف بھرتی جا رہی تھی۔ مراد کو سانس لینے میں مشکل ہو رہی تھی۔  
"حیا" مراد نے پکارا تو حیا اس کے قریب گئی۔  
وہ تینوں اس پر جھکے تھے۔

"مراد ابرہیم نے ثابت کر دیا کہ اس کی محبت سچی تھی" مراد نے اٹکے ہوئے سانس کے ساتھ کہا۔  
حیا رو پڑی۔

"آج میں نے اپنی محبت کی محبت کو بچا لیا حیا" اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔  
لیکن اس کے چہرے پر اطمینان تھا۔ اس کا ذمہ جیت گیا تھا۔



"تم سب مجھے معاف کر دینا" اس نے سب سے معافی مانگی۔

اور پھر اس سے اگلا سانس نہیں آیا۔

ولی نے مراد کی نبض چیک کی۔ آج پھر اسے نبض بند ملی۔ مراد جاچکا تھا۔ ولی نے کانپتے ہاتھوں سے مراد کی بے جان سیاہ آنکھیں بند کی۔

"مراد" حیارور ہی تھی۔ مراد ابرہیم سرخرو ہو گیا تھا لیکن اسے بہت بڑا گلٹ دے گیا تھا۔

ماہ نور پولیس سے بچ کر گھر پہنچ گئی تھی۔ وہ گھر پہنچی تو سامنے لاؤنچ میں لائبہ آفندی اور حمید آفندی سر پکڑ کر بیٹھے تھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔  
"آپ لوگ"

"یہ دیکھو" حمید آفندی نے وہ کاغذ اس کے ہاتھ میں دیا۔

"عامر نے تمہیں طلاق بھیج دی ہے" لائبہ آفندی نے کہا۔

ماہ نور آفندی کے سر پر جیسے پہاڑ گر گیا۔

وہ جو دوسروں کی زندگی کا فیصلہ کرنے نکلی تھی۔ اپنی زندگی بھول گئی تھی۔

"نہیں عامر مجھے نہیں چھوڑ سکتا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ واپس آئے گا" ماہ نور نے بے یقینی کے عالم میں کہا۔

جب اچانک پولیس کے سائرن کی آوازیں گونجی۔

"پولیس آگئی۔ بابا مجھے بچالیں۔ خدا کے لیے مجھے بچالے" ماہ نور پر خوف طاری ہو رہا تھا۔

ماہ نور نے حمید آفندی کی منت کی۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی ماہ نور ہے۔

"کیا کیا ہے تم نے" لائبہ آفندی نے اسے جھنجھوڑ کر کہا۔

"قتل۔ قتل ہو گیا مجھ سے" ماہ نور چیخی۔

حمید آفندی اور لائبہ آفندی کو یقین نہیں آرہا تھا۔

"بابا آپ مجھے بچالیں وہ مجھے لے جائے" ماہ نور حمید آفندی کے پیر پر گئی۔

وہ اس وقت انہیں کوئی پاگل لگ رہی تھی۔

"اب تمہیں کوئی نہیں بچائے گا" حیانے کہا۔

وہ پولیس کو گھر لے آئی تھی۔

"نہیں حیاتم میری بہن ہو تم ایسا نہیں کر سکتی" ماہ نور تڑپ رہی تھی۔ لیکن آج اسکی سننے والا کوئی نہیں تھا

-

حمید آفندی کا گھر ماہ نور کی دل خراش چیخوں سے گونج رہا تھا۔ پولیس نے ماہ نور کو اریسٹ کر لیا تھا۔

ماہ نور آفندی اپنے انجام کو پہنچ گئی تھی۔

عمل ہاسپٹل میں تھی جب نرس نے اسے آکر کہا کہ ایمر جنسی میں پیشینٹ آیا ہے۔ عمل اس طرف بھاگی۔  
پشینٹ کے چہرے پر چادر تھی۔

"اس کو دو گولیاں لگی ہے۔ He is dead" ڈاکٹر کہہ کر چلا گیا۔ ناجانے عمل کے ذہن میں کیا خیال آیا اس  
نے آگے بڑھ کر ڈیڈ باڈی کے چہرے سے چادر ہٹھائی۔

اسے لگا اب اس کی آنکھیں خراب ہو گئی ہیں۔

"اس کا نام مراد ابرہیم ہے" پاس کھڑی نرس نے معلومات فراہم کی۔

عمل ایک قدم پیچھے ہٹی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اسے سانس نہیں آرہا۔ دل میں درد کی لہر اٹھ رہی تھی۔

جیسے کسی نے عمل خان کا دل گھرے سمندر میں پھینک دیا ہو اور اب وہ غوتے کھا رہا ہوں۔ سانس لینے کی کوشش کر رہا ہوں۔ لیکن سانس نہ آرہا ہو۔  
 جانتے ہو محبوب کی لاش کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا غم۔  
 ایسا لگتا ہے جیسے جسم سے روح نکل گئی پھر بھی جسم زندہ ہے۔  
 عمل کو اپنی آنکھیں بند ہوتی محسوس ہو رہی تھی اور پھر وہ بند ہو گئی۔  
 تمام ڈاکٹر اور نرس اس کی طرف بھاگے۔

زارا کو مراد کہ موت کی خبر پہنچ چکی تھی۔

مراد کا جنازہ ہو گیا تھا۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ ایک طویل دن اپنے اختتام پر تھا۔ زارا جنازے کے وقت کے بعد سے غائب تھی۔ کسی کو اس کا علم نہیں تھا۔ اس وقت ولی، عمر اور حیا آفندی ہاؤس میں تھے۔ علی آفندی کی مراد کی موت کی خبر سے طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ ابھی انہیں زارا کی غیر موجودگی کا علم نہیں تھا۔

اس وقت ولی اور عمر لاؤنچ میں بیٹھے تھے۔

وہ ابھی تک صدمے میں تھے جب حیا ان کے طرف آئی۔

"یہ دیکھیں مجھے آپ کی روم سے کیا ملا۔ وہ اپنا فون یہی چھوڑ گئی ہیں۔"

حیا آکر ان کے پاس صوفے پر بیٹھی۔

"اس میں کیا ہے" عمر نے پوچھا۔ عمر کے چہرے پر زخموں کے نشان موجود تھے۔

"آپی کے واٹس ایپ پر کسی نے رینگ نمبر سے یہ میسج کیا تھا" کہ کر حیانے میسج پلے کر دیا۔  
 "میں زارا آفندی سے نفرت کرتا ہوں۔ وہ تو میرے لائق ہی نہیں ہے۔ میں بہت جلد اسے چھوڑ دوں گا۔ وہ  
 لڑکی تو صرف ٹائم پاس کے قابل ہے۔ مجھے اس سے کوئی محبت نہیں"  
 آڈیو ختم ہو گئی۔

ولی نے تکلیف سے آنکھیں میچ لی۔  
 "او خدا تمہاری بہن کتنی شیطانی دماغ کی ہے۔ ایک وقت میں دو شکار" عمر نے چڑ کر کہا۔  
 "نہیں ماہ نور ایک بے وقف عورت ہے۔ یہ پلاننگ مراد کی تھی۔ صرف وہی اتنا شاطر تھا" ولی نے سنجیدگی  
 سے کہا۔

"تھا" حیانے قرب سے دہرایا۔  
 تو پھر خاموشی ہو گئی۔  
 "یقین نہیں آ رہا اب مراد ہمارے ساتھ نہیں ہے" عمر نے تعصف سے کہا۔  
 "زارا آپی کہی آپ کو چھوڑ کر تو نہیں چلی گئی" حیانے کہا۔  
 "نہیں ایسا نہیں ہو سکتا مجھے یقین ہے زارا نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ کبھی مجھے چھوڑ کر نہیں جائے گی۔  
 میں اس کا انتظار کروں گا" کہ کر ولی اٹھ کر لان کی طرف چلا گیا۔  
 حیا اور عمر نے اسے افسوس سے دیکھا۔

عمل کو ہوش آ رہا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تو اپنے اوپر سفید چھت نظر آئی۔ اس نے  
 آخری واقع یاد کرنے کی کوشش کی تو مراد کے بے جان وجود اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ رنگ پیلا پر رہا تھا۔ جیسے جسم میں خون موجود ہی نہ ہو۔

"مراد" اس نے پکارا تو اس کی امی اس کے پاس آئی۔  
انہیں ہاسپٹل والوں نے بلایا تھا۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ کسی صدمے کی وجہ سے بے ہوش ہوئی ہے۔ اس کے امی بابت دونوں وہاں موجود تھے۔ اس کے حجاب کی وجہ سے اسے روم میں شفٹ کیا گیا تھا۔  
"ہاں میری بچی کیا ہوا ہے"

"امی امی مراد کہا ہے" اس کی ماں کو سمجھ نہیں آئی کہ کیا کہے۔  
"ڈاکٹر عمل آپ مراد ابرہیم کی بات کر رہی ہیں وہ تو مرچکے ہیں" نرس نے بتایا۔  
"نہیں۔ مراد نہیں مر سکتا" عمل چیخی۔  
"عمل میری بچی سنبھال خد کو" اس کی ماں رونے لگی تھی۔  
عمل نے جھنجھوڑ کر اپنے ہاتھ سے ڈرپ اتاری۔ تو اس کا ہاتھ خون و خون ہو گیا۔ وہ بیڈ سے اٹھی۔  
"مجھے مراد کے پاس جانا ہے۔ وہ مر نہیں سکتا" وہ اپنے ہوش میں نہیں تھی۔  
"رات کے دو بج رہے ہیں ابھی تک تو اسے دفنا بھی دیا ہو گا۔ آپ" ڈاکٹر ابھی کہہ رہی تھی جب عمل نے چیخنا شروع کر دیا۔

"مراد۔ مراد نہیں مر سکتا۔ نہیں امی آپ بلائے مراد کو۔ امی میں مر رہی ہوں" عمل خان تڑپ رہی تھی

اسکی ماں نے روتے ہوئے اسے سینے سے لگانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ قابو میں نہیں آرہی تھی۔  
"امی امی میرے دل میں درد ہو رہی ہے۔ مجھے سانس نہیں آرہی۔ مراد۔ مراد نہیں" وہ چیخ رہی تھی تڑپ رہی تھی۔ اس وقت اس کا سارا جسم لرز رہا تھا۔

اس کے بابا خاموش آنسو بہا رہے تھے۔ اولاد کی ایسی حالت کون دیکھ سکتا ہے۔

"مراد۔ اللہ یہ کیا کر دیا۔ مراد نہیں" وہ تڑپ رہی تھی۔

ایسے لگ رہا تھا مر رہی تھی لیکن جسم سے روح نہیں نکل رہی۔

"مراد سے پہلے میں کیوں نہیں دفن ہو گئی"

ہاسپٹل کے فرش پر بکھری ہوئی عمل خان دھائیاں دے رہی تھی۔ مراد ابرہیم کے لیے تڑپ رہی تھی۔

اور مراد ابرہیم کو لگتا تھا اس کے مرنے پر اس کے لیے کوئی رونے والا نہیں ہو گا۔

کوئی اسے بتاتا کہ ایک لڑکی اس کے لیے تڑپ رہی تھی۔

ڈاکٹر نے عمل کو نیند کا انجیکشن لگا دیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ غنودگی میں چلی گئی۔

صبح کے سات بج گئے تھے۔ ابھی تک زارا نہیں آئی تھی۔ وہ تینوں ابھی تک اس کا انتظار کر رہے تھے۔

ولی کو یقین تھا کہ وہ آئے گی۔ انہوں نے اسے ڈھونڈنے کی کوشش بھی کی۔ لیکن کوئی سوراخ نہیں ملا۔

ملازم نے آکر بتایا کہ مراد کا دوست نور ہادی ملنے آیا ہے۔

ہادی ان تینوں کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس نے انہیں سب بتا دیا۔ کیسے ماہ نور نے مراد کو ہائیر کیا۔ پھر مراد کو

حیا سے محبت ہو گئی۔ پھر انہوں نے پلاننگ کی اور آخر میں مراد ابرہیم خد ختم ہو گیا۔

"میں صرف اتنا کہو گا کہ میرا بھائی برا نہیں تھا۔ یہ اس کی جاب تھی۔ لوگ اسے ہائر کرتے تھے۔ اس نے

سچی محبت کی تھی۔ اس کے زمیر نے اسے گوارا نہیں کیا کہ کسی بے قصور کی جان لے۔ اور وہ حیا کے بغیر

نہیں رہ سکتا تھا اس لیے اس نے اپنی جان دے دی"

"میری آپ لوگوں سے گزارش ہے میرے بھائی کو معاف کر دے۔ اس کی روح کو سکون مل جائے گا"

ایک دوست اپنے دوست کے لیے معافی مانگ رہا تھا۔  
ہمیں لگتا ہے کہ ہمارا کوئی نہیں ہے لیکن ہم بھول جاتے ہیں کہ ہمارے ارد گرد کتنے لوگ ہم سے محبت کرتے ہیں۔

جیسے مراد ابرہیم نور ہادی اور عمل خان کو بھول گیا۔

"میں نے مراد کو معاف کیا" حیانے کہا۔

"ہم سب نے مراد کو معاف کیا۔ ہمیں اس سے کوئی نفرت نہیں ہے۔ وہ جانے سے پہلے ہم پر بہت برا احسان کر گیا ہے" ولی نے عمر کو دیکھتے ہوئے کہا۔  
"بہت شکریہ۔ وہ زارا آفندی کہا ہے مجھے اس سے بھی معافی مانگنی ہے"  
"پتہ نہیں۔ جب ملے گی تب ہم تمہارا پیغام اسے دیں دے گے" عمر نے کہا  
ہادی تھوڑی دیر تک چلا گیا۔

"ہمیں ایک دفع پھر زارا آپ کو ڈھونڈنا چاہیے" حیانے کہا۔  
"میں گم گئی ہوں جو مجھے ڈھونڈنا ہے" تبھی دروازے سے اندر آتی زارا نے کہا۔  
"آپ آپ کہا تھی" حیا بھاگتی ہوئی اس کے پاس گئی۔  
ولی اسے بس دیکھ رہا تھا۔ اس کا یقین صحیح ثابت ہو گیا تھا۔ اس کی محبت جیت گئی تھی۔  
زارا ولی کی طرف بڑھی۔ تو ولی نے اس کے لیے باہر پھیلائی۔

لیکن زارا آفندی نے آتے ہی اسے مکو سے مارنا شروع کر دیا۔  
 "زارا کیا کر رہی ہو لگ رہا ہے" ولی بچاؤں کی کوشش کر رہا تھا۔  
 "لگ رہی ہے۔ اچھی بات ہے۔ تمہیں کیا لگا زارا آفندی اتنی آسانی سے تمہاری جان چھوڑ دے گی" زارا  
 نے غصہ سے کہا۔

"مجھے یقین تھا تم آؤں گی" ولی نے محبت سے کہا۔  
 "مجھے آنا ہی تھا" زارا کی آنکھوں میں یقین تھا۔

"لیکن تم گئی کہا تھی" عمر نے پوچھا۔ اب وہ لوگ لاؤنچ میں بیٹھے تھے۔  
 "جب وہ اوڈیو سنی تو میں سمجھ گئی۔ کچھ غلط ہے۔ مراد کے جنازے کے بعد میں جیل گئی۔ ماہ نور کے پاس"

ماہ نور آفندی جیل کی سلاخوں کے ساتھ لگی چیخ رہی تھی۔  
 "تمہیں کیا ملا یہ سب کر کے" زارا نے تاسف سے پوچھا۔  
 "مجھے معاف کر دو زارا۔ مجھے نکال لو یہاں سے" ماہ نور آفندی کی منت کر رہی تھی۔ وقت بدل  
 گیا تھا۔ چار سال پہلے زارا آفندی تڑپ رہی تھی اور آج ماہ نور آفندی۔  
 "یہ اوڈیو تم نے بھیجی تھی نہ" زارا کے پوچھنے پر ماہ نور نے اسے سب بتا دیا۔  
 "اب مجھے نکال لو" ماہ نور نے منت کی۔

"اللہ سے پناہ مانگوں ماہ نور آفندی" کہہ کر زارا وہاں سے چلی گئی۔  
 اور ماہ نور آفندی چیختی رہ گئی۔



"تو اس نے سب بتا دیا" عمر نے کہا۔  
 "اس کے بعد کہا گئی" حیانے پوچھا۔  
 "مجھے کچھ وقت چاہیے تھا اس لیے میں ہاسپٹل چلی گئی۔ وہ اپنے روم میں خاموشی سے بیٹھی رہی۔ خد کو ریلیکس کیا" زارا نے بتایا تو ان سب کا منہ کھلا رہ گیا۔  
 ان کا ذہن ہاسپٹل کی طرف گیا ہی نہیں تھا۔

### ایک ہفتہ بعد

مراد کی وفات کو ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔  
 کورٹ نے ماہ نور آفندی کو پاگل قرار دے دیا تھا۔ ماہ نور کو شہر کے پاگل خانے بھیج دیا گیا تھا۔

عمل شروع کے تین دن ہاسپٹل میں ہی ایڈمٹ رہی۔ اس نے بری مشکل سے خد کو سنبھالا تھا۔ لیکن اس کی صحت ابھی تک خراب تھی۔ رنگ پیلا ہو گیا تھا۔ اسے روز پینک اٹیک آتے تھے۔ روز سائیکائٹرس کے پاس جاتی تھی۔ آج اس کی کلاس کا پہلا دن تھا لیکن وہ نہیں گئی۔ بلکہ وہ مراد کے فلیٹ پر چلی گئی۔  
 ہادی سامان پیک کر رہا تھا جب بیل بجی۔  
 دروازہ کھولا تو سامنے عمل خان کھڑی تھی۔  
 "جی آپ کون"

"میں زارا آفندی کی دوست ہوں۔ مراد سے مل چکی ہوں۔ اس کا افسوس کرنے آئی ہوں"

ہادی اسے اندر لے آیا۔

عمل ارد گرد بکھرا سامان دیکھنے لگی۔ جگہ جگہ کاٹن اور سامان بکھرا تھا۔

"یہ سامان۔ یہ سب" عمل نے پوچھا

"میرا سفر ہو گیا ہے اس لیے میں کراچی جا رہا ہوں۔ مراد کی وصیت کے مطابق اس کی پر اپرٹی جس میں یہ فلیٹ۔ اس کی بایک اور بینک بیلنس آتا ہے۔ میرے نام ہوگی ہے۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے اس لیے میں یہ سب ڈونٹ کر رہا ہوں۔ یہ گھر بیچ کر جو پیسے آئے گے وہ ڈونٹ کر دو گا" ہادی نے تفصیل سے بتایا۔

"آپ نے یہ گھر بیچ دیا ہے"

"ابھی ایک جگہ بات چل رہی ہے"

"مجھے یہ گھر خریدنا ہے" عمل نے بے اختیار کہا۔

کچھ دیر تو ہادی بول نہ سکا

"مس آپ سیریس ہیں"

"ہاں۔ میں پیمنٹ کر دو گی لیکن آپ اس فلیٹ میں سے مراد کی کوئی چیز نہیں چھیڑے گے" عمل نے تکلیف سے کہا۔

ہادی کو اندازہ ہو رہا تھا۔

"اتنی محبت کرتی تھی اسے" ہادی نے پوچھا تو عمل خان کچھ کہ نہ سکی۔

"پھر بتایا کیو نہیں"

"وہ کسی اور سے محبت کرتا تھا" عمل نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"پھر بھی کہنا چاہیے تھا"

"محبوب کے سامنے مشکوک ہونے سے اچھا ہے گمنام رہنا" عمل خان جانتی تھی کہ وہ کس تکلیف سے یہ الفاظ ادا کر رہی ہے۔

ہادی نے گہرا سانس لیا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں یہ گھر تمہارے نام کر دو کیونکہ اس وقت مجھے تم سے زیادہ کوئی ضرورت مند نہیں لگ رہا"

ہادی کے اس جملے سے عمل کو اطمینان ہوا۔

"مجھے اس کی قبر دیکھنی ہے" عمل نے کہا

"آئے میں آپ کو لے چلتا ہوں"

Safar-e-Adab

پانچ سال بعد

یہ ایک یونیورسٹی کے آڈیٹوریم کا منظر تھا۔ سب لوگ پاکستان کی مشہور و معروف ڈاکٹر عمل خان کی آمد کے منتظر تھے۔

ڈاکٹر عمل خان گائینا کالوجسٹ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک تنظیم چلا رہی تھی جس میں عورتوں کی پڑھائی پر کام کر رہی تھی۔ دنیا جہاں سے اسے ڈونیشن آتی تھی۔ وہ مختلف کالجز اور یونیورسٹیز میں جا کر نئی جرنیشن کو تعلیم کی امپارٹنس بتاتی تھی۔

آج لاہور کی سب سے مشہور یونیورسٹی UCP میں ڈاکٹر عمل خان کی سپیچ تھی۔

ہر کوئی اس کا منتظر تھا اور پھر وہ آگئی۔

اس کی رعب دار شخصیت سب کے لیے متاثر کن تھی۔

ڈاکٹر عمل خان پوڈیم اسٹینڈ کے پاس آئی اور ایک گہری سانس لے کر سب سے مخاطب ہوئی۔

"اسلام علیکم۔ کیسے ہیں آپ سب؟"

ہال میں سب کی آواز گونجی جو اس کے سلام کا جواب دے رہے تھے۔

"میں عمل خان آج آپ لوگوں کو زندگی کے کچھ نشیب و فراز کے مطلق بتاؤں گی"

"زندگی۔ زندگی کیا ہوتی ہے جانتے ہیں آپ سب۔ میں بتاتی ہوں۔ زندگی وہ ہے جو گزر رہی ہے۔ زندگی

وہ ہے جو ہم سب کی الگ ہے۔ سب کی زندگی الگ ہوتی ہے۔ سب کے اپنے مسائل ہوتے ہیں۔ سب کے

اپنے غم ہوتے ہیں۔

اور سب کی زندگی میں کچھ ادھورا ضرور ہوتا ہے۔

اگر آپ کو کسی شخص کو دیکھ کر لگے کہ اس کے پاس سب کچھ ہے۔ یہ مکمل ہے۔ تو آپ کی سوچ بہت غلط

ہے۔ کیونکہ کوئی انسان مکمل نہیں ہوتا۔ کسی کی زندگی مکمل نہیں ہوتی۔ کسی کے ادھورے خواب ہوتے

ہیں تو کسی کے ادھوریں محبتیں"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

مسز احمد گارڈن میں بیٹھی بہت محبت سے اپنے جڑوا پوتے پوتی کو کھیلتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

زارا اور ولی کے بچے۔ حمزہ اور عنایہ۔ دونوں جڑوا تھے۔ تین سال کے ٹونس۔ جو فٹ بال کے ساتھ کھیل

رہے تھے۔

حیا اور عمر شادی کے بعد امریکہ شفٹ ہو گئے تھے۔ علی آفندی دو سال پہلے وفات پا گئے تھے۔

احمد ہاؤس میں ان دو شرارتی بچوں کی وجہ سے رونق لگی رہتی تھی۔

زارا اور ولی بھی باہر مسز احمد کے پاس آگئے تھے۔ عمر اور حیا کی وڈیو کال تھی۔ وہ اپنی بیٹی ہانیہ دیکھا رہے تھے۔ جس نے ابھی چلنا شروع کیا تھا۔ مسز احمد اسے پیار کر رہی تھی۔ سب کچھ کتنا مکمل لگ رہا تھا۔ لیکن آج بھی سب میں کچھ نہ کچھ ادھورا تھا۔ حیا کو آج بھی مراد کے جانے کا گلٹ تھا۔ عمر آج بھی اپنے ماں باپ کو یاد کرتا تھا۔ زارا اپنے بابا کو بھلا نہیں پار رہی تھی۔ اور ولی آج بھی زارا خان کے آکسیڈنٹ کو خواب میں دیکھ کر ڈر جاتا تھا۔ لیکن فرق یہ تھا کہ وہ سب اللہ کا شکر ادا کرتے تھے اور جو ہے اس پر مطمئن تھے۔

عمل آج کے کام سے فارغ ہو گئی تھی۔ اس کے بھائی کی پاسٹنگ کی وجہ سے اس کے ماں باپ دوسرے شہر چلے گئے تھے۔ عمل آج بھی مراد کے فلیٹ میں رہتی تھی۔ روز اس کی قبر پر جاتی تھی۔ اس نے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولا اور اندر جا کر لائٹ آن کی۔ تو اپارٹمنٹ روشن ہو گیا۔ اپارٹمنٹ کی سیٹنگ آج بھی ویسی تھی۔ آج بھی دیوار پر ویسے ہی مراد کی تصاویر لگی تھی۔ عمل کے چہرے پر آسودگی تھی۔ پوری دنیا کے لیے مضبوط عمل خانہ اندر سے مردہ لاش تھی۔ اگر کوئی جان لے تو۔

عمل خاموشی سے کمرے میں موجود مراد کی تصویر دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں آنسو تھے اور دل میں درد۔ پہلے دن کی طرح۔

عمل سٹی ٹیبل کی طرف بڑھی اور اپنی ڈائری کھولیں۔

"اے اللہ تیرا شکر ہے ہر چیز کے لیے۔ میں نے اپنی ساری زندگی وقف کر دی ہے۔ میں سب کرتی ہو۔ عبادت۔ اچھے کام۔ پھر بھی دل میں درد کم نہیں ہوتا۔ مراد ابرہیم خد تو اس دنیا سے چلا گیا۔ لیکن اپنے ساتھ میرے وجود کا بہت بڑا حصہ لے گیا۔ صحیح کہتے ہیں۔ اس دنیا میں اللہ کی محبت کے سوا ہر محبت کو زوال ہے۔ میرا بھی زوال ہو گیا۔ عمل خان ادھوری ہے اپنی ایک طرفہ محبت کے ساتھ۔ زخم ٹھیک ہو جاتے ہیں لیکن حادثے بھولائے نہیں جاتے" ڈائری بند ہو گئی تھی۔

عمل اس وقت ٹیرس پر کھڑی چاند دیکھ رہی تھی۔ جیسے اس چاند میں مراد کو ڈھونڈ رہی ہو۔

ہر کوئی بظاہر مکمل تھا لیکن حقیقت میں سب اندر سے ادھورے تھے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

یہی تو زندگی ہے  
کچھ ادھورے خواب  
کچھ ادھورے قصے  
کچھ ادھوریں کہانیاں  
کچھ ادھوریں محبتیں  
اسی کا نام تو زندگی ہے  
کچھ ادھوریں خواہشوں کا سلسلہ

کچھ ادھوریں خوابوں کا ٹوٹنا  
یہی تو زندگی ہے  
کچھ ادھوریں لمحے  
کچھ ادھوریں باتیں  
اسی کا نام تو زندگی ہے

فاطمہ سیال

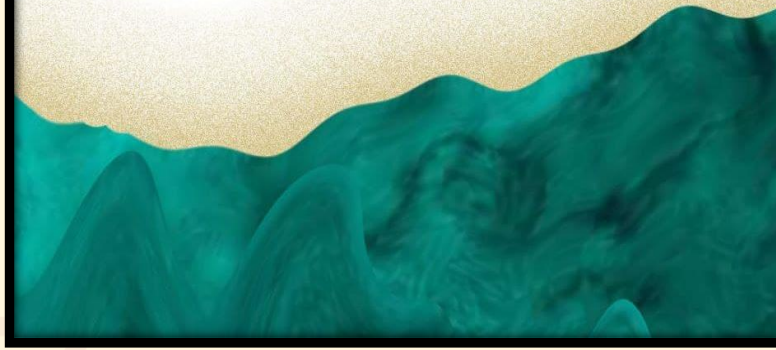


(نوٹ: اسلام علیکم! میں ہو آپ کی رائٹر فاطمہ سیال۔ "زندگی" میرا پہلا ناول ہے۔ امید کرتی ہو کہ آپ سب کو اچھا لگے گا۔ اپنے ریویو میرے انسٹاگرام پر ضرور دیجیے گا۔ @thefatimasial۔ (انسٹاگرام آئی ڈی) اگر میرے سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو مجھے معاف کر دیجیے گا۔ یہ میرا پہلا ناول تھا تو پلیس مجھے اتنا مار جن دیجیے گا۔)



# پل صراط

عنیزہ زاہد



"تم مجھے ایک برا انسان سمجھتی ہونا۔ مجھے پہچاننے میں تم سے ذرا سی غلطی ہو گئی۔ میں صرف برا نہیں، ایک بدترین انسان ہوں۔" وہ گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے ایک ٹرانس میں کہہ رہا تھا۔ شراب گلاس سے باہر گرنے لگی تھی پر اسے تو جیسے ہوش ہی نہیں تھا۔ پھر اس نے وہ گلاس اٹھایا اور اسکی طرف دیکھا۔

وہ خوف سے اپنی جگہ پر سمٹی۔ "کیا کہہ رہی تھی تم؟ اس وقت تمہارا کوئی موڈ نہیں ہے مجھ جیسے شرابی کے منہ لگنے کا؟" وہ خود سے سوال کرتا، خود سے جواب دیتا اس کے قریب بیٹھا۔ "اور یہ کہ میں نشئی ہوں؟ آج تمہیں بھی شراب کی لذت چکھاؤں گا۔" اس نے گلاس منال کے منہ کے قریب کیا۔

☆☆☆

'کبھی تو تو بھی محبت کرے گا۔'

فاران احمد نے محبت کی تھی!

'تو بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہے گا۔'

اس نے بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔

اور پھر۔۔ پھر وہ تجھے چھوڑ جائے گی۔'

اور پھر وہ اسے توڑ گئی۔

'پھر میں تیرے پاس آؤں گا۔ اور کہوں گا کہ دل پہ مت لے۔ وہ چلی گئی تو کیا ہوا، کوئی اور آجائے گی۔' اس کے جانے کے بعد کوئی نہیں آیا۔ اس نے آنے ہی نہ دیا۔

ایسین فتح



# ابراہیم

"یہاں دستخط کرو غازہ ! " کاغذ غازہ کے سامنے کرتے ہوئے انہوں نے کہا تو غازہ نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے اس اجنبی شخص کو دیکھا جس سے ابھی وہ چند گھنٹوں پہلے ملی تھی۔ ان چند گھنٹوں کی ملاقات نے اس شخص کو اس کا مختار بنا ڈالا تھا۔ زندگی میں پہلی بار قلم پکڑتے ہوئے غازہ کے ہاتھ بڑی طرح کانپنے لگے۔ وہ تو با آسانی قلم تھام کر شفاف کاغذ پر آدھی ترچھی لکیریں کھینچ کر بہت سارے خاکے بنا لیا کرتی تھی، کچھ دھندلے ہوتے تو کچھ میں پہلی ہی حسرت میں جان موجود ہوتی۔

"تم رشتے کھونے سے ڈرتی ہو غازہ ! " سبیکہ کا چند روز قبل کہا گیا جملہ کان کے پردے پر ابھرا تھا۔ "بچ کہا تھا تم نے میں رشتے کھونے سے ڈرتی ہوں سبیکہ ! اور یہ نیا دھور رشتہ بھی شاید میں کھونے کے لیے ہی بنا رہی ہوں۔" دل میں اس کے کہنے کا جواب دے کر اس نے کاغذ پر قلم گھسیٹا تھا۔ عجیب بات تھی وہ ایک کاروباری شادی کے لیے دلہن بنی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"میری زندگی برباد کر کے تم یہاں سکون سے سو رہی ہو۔ شام سے مینو مجھے فون کر رہی ہے اور میں اس کا فون نہیں اٹھا رہا جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ میں اس سے بے وفائی کرنے پر بے حد شرمندہ ہوں۔ اپنی زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کو چاہا ہے اور تم زبردستی ایک بزنس ڈیل کی طرح میرے سر پر آ گئی ہو۔" وہ بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا اپنے اندر کا سارا انتشار اس پر انڈیل رہا تھا۔ غازہ خاموشی سے بس اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے واقعی ہی اس شخص پر ترس آیا تھا جس کی محبت آباد ہونے سے پہلے ہی اس کے باپ نے اجاڑ دی تھی۔ وہ بستر سے اتر کر اس کے نزدیک آئی تھی۔

"میں بہت تلخ ہو چکی ہوں کلج ! جانتے ہو کیوں؟" اس نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے انتہائی آہستگی سے کہا تھا۔

"کیونکہ اس دنیا اور معاشرے کی سفاکی آپ کو تلخ بنا دیتی ہے۔ اول تو مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم کسی سے کمینڈ ہو اور بالفرض اگر مجھے معلوم بھی ہوتا تو تب بھی میں وہاں کچھ نہیں کر پاتی۔ میں یہ کاغذی تعلق تب بھی نہیں روک سکتی تھی۔ تمہاری مجرم میں نہیں ہوں کلج ارسلان ! بلکہ اپنے مجرم تم خود ہو۔ مینو کے مجرم تم ہو جو محض اپنے باپ کی لالچ کے ہاتھوں اپنی محبت پر ایک کاغذی سوتن لے آیا۔" وہ سینے پر بازو پیٹتے انتہائی تلخی سے کہہ رہی تھی جبکہ کلج بس حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔



Click here

safareadab.com



دنوشہ آرزو

"جانتے ہو میرے لیے اب محبت کیا ہے۔" وہ آنسوؤں کو بمشکل روکے ہوئے تھی۔ "م جس سے (ال) مالک شروع ہوتا ہے، ج جس سے (ال) حلیم شروع ہوتا ہے، ب جس سے (ال) باری اور ت سے تمنا (وہ جو اللہ سے کی جاتی ہے) شروع ہوتی ہے۔ بس یہی ہے میرے نزدیک محبت!" وہ ضبط کی انتہا پہ تھی۔ "ایک وقت تھا تم میری تمنا تھے مگر اب صرف ایک ہی تمنا ہے میری۔۔۔ اللہ۔۔۔ بس اللہ۔۔۔!" وہ رکی اور گہرا سانس لے کر بولی۔ "ایک بار بھانجی نے کہا تھا کہ ایک بار جو چڑھ جائے رنگ حب الہی تو اتر جائیں۔۔۔! ہاں وہی رنگ چڑھ گیا ہے مجھے۔" وہ زید کی خاموشی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ اب ایک آخری جملہ رہ گیا تھا کہنے کو۔ وہ ہمت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کہنے لگی تھی کہ زید بولا۔ "تمنا تمہیں نہیں بھی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہارا ہوں، تمہارا تھا، اور تمہارا ہی رہوں گا۔ شوہر کی تمنا بھی ہوتی ہے بھلا کسی کو۔" وہ مسکراتے ہوئے کوشش کر رہا تھا۔

"شوہر کے غیر محرم ہونے میں بس ایک دستخط کی دیر ہوتی ہے۔" وہ سنگدل ہو چکی تھی۔ دوسری جانب زید کو دھچکا لگا تھا۔

☆☆☆

"مجھے سننے میں آیا ہے کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو۔" اسے جھکا لگا کیا وہ جان گئے تھے۔ وہ ذرا بوکھلا گئی مگر جھوٹ وہ نہیں بولنا چاہتی تھی۔

"جی، مگر آپ سے کس نے کہا؟" اس نے لکھ ہی دیا۔

"وہ اہم نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے؟" وہ کچھ مزید بوکھلائی۔ اب کیا کرے؟

"میں نہیں بتا رہی۔ ابھی کچھ کنفرم نہیں ہے۔ میں ایسے تو نام نہیں بتا سکتی نا؟" اسے یہی جواب ٹھیک لگا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ یہ تاثر دے گی کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس نے سوچنے کا وقت مانگا ہے۔ اب جھوٹ ہے تو جھوٹ سہی۔ شرم سے توجھ جائے گی نا۔

"ویسے تم نہ بھی بتاؤ تو میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔" وہ گھبراہٹ میں پگھل رہی تھی جلتی موم کی طرح۔

اچھا اتنے پریقین ہیں تو بتائیں نام؟" اس نے ڈرتے ڈرتے ناپ کیا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے ہی پسند کرتی ہو، آخر۔۔۔" وہ دم بخود رہ گئی۔ آخر وہ کیسے جان سکتے تھے؟ در اگر وہ جانتے تھے تو کب سے جانتے تھے؟ وہ حیران بھی تھی اور پریشان بھی۔

"اگر تمہاری مجھ سے شادی نہ ہوئی ہوتی اور تمہیں موقع ملتا تو کیا تم حسن خان کو اپنا بیٹا؟"

رقیہ الجھ سی گئی۔ "میں سمجھی نہیں آپ کی بات کا مطلب۔"

وارث جان نے بہت سوچنے کے بعد سوال کا انداز بدل دیا۔ "تمہیں مجھ میں یا حسن خان میں سے کسی ایک کو چننا ہو تو کسے چنو گی؟"

رقیہ وارث کے اس سوال پر ناراض ہو گئی۔ "کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔۔ یہ کیسا عجیب سا سوال ہے۔ آپ شوہر ہیں میرے اور وہ کوئی نہیں میرا۔ بس ساتھ پڑھتا ہے اور اچھا کلاس فیلو ہے۔ اس کا آپ سے کیا مقابلہ!!!!"

وارث جان ابھی بھی الجھا ہوا تھا۔ "رقیہ میں صرف اور صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم حسن خان کے ساتھ کو پا کر خوش رہ سکتی ہو تو۔۔۔" اس کے باقی ماندہ الفاظ اندر کہیں دب کر رہ گئے تھے۔ رقیہ جو وارث جان سے کبھی اونچی آواز میں بولنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے وارث جان کے گال پر زور دار تھپڑ مار دیا۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ کیسے اس کا ہاتھ وارث پر اٹھ گیا۔

☆☆☆

"امبر تم نے کہیں رقیہ کو دیکھا ہے۔ مجھے گیٹ سے پتا چلا کہ رقیہ آچکی ہے۔" رقیہ کی حسن کی طرف بیک تھی۔ رقیہ مسکراتے ہوئے بلیٹی اور حسن خان وہیں دل تمام کر کھڑا ہو گیا۔ "اف۔۔۔ کوئی اتنا خوبصورت کیسے ہو سکتا ہے۔" اس سے پہلے کہ حسن خان مزید کچھ اور کہتا رقیہ اس کی طرف بڑھی۔ حسن خان کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ آج وہ رقیہ کو پا لینے کے جنون سے آیا ہے۔ حسن خان کے ساتھ اس کی والدہ بھی تھیں۔ انہوں نے رقیہ کے لیے تعریفی جملے کچھ اس طرح کہے۔ "بہت خوبصورت ہو تم اور آج تو بہت زیادہ حسین لگ رہی ہو۔ جانتی ہو آج مجھے کیوں لایا ہے اپنے ساتھ؟؟" ابھی وہ مزید کچھ کہتیں کہ رقیہ نے مسکرا کر حسن کو مخاطب کیا۔

"حسن ان سے ملو میرے سہنڈ۔ سردار وارث جان۔" حسن کی آنکھیں پھٹ سی گئیں وہ بے اختیار بولا "کیا؟؟؟ کیا کہا ہے تم نے۔۔۔؟؟؟ کون ہے یہ؟؟۔۔۔ مطلب تمہارے ساتھ کیا رشتہ ہے ان کا؟؟؟"

Click here

safareadab.com

وراثت

فاطمہ ملک

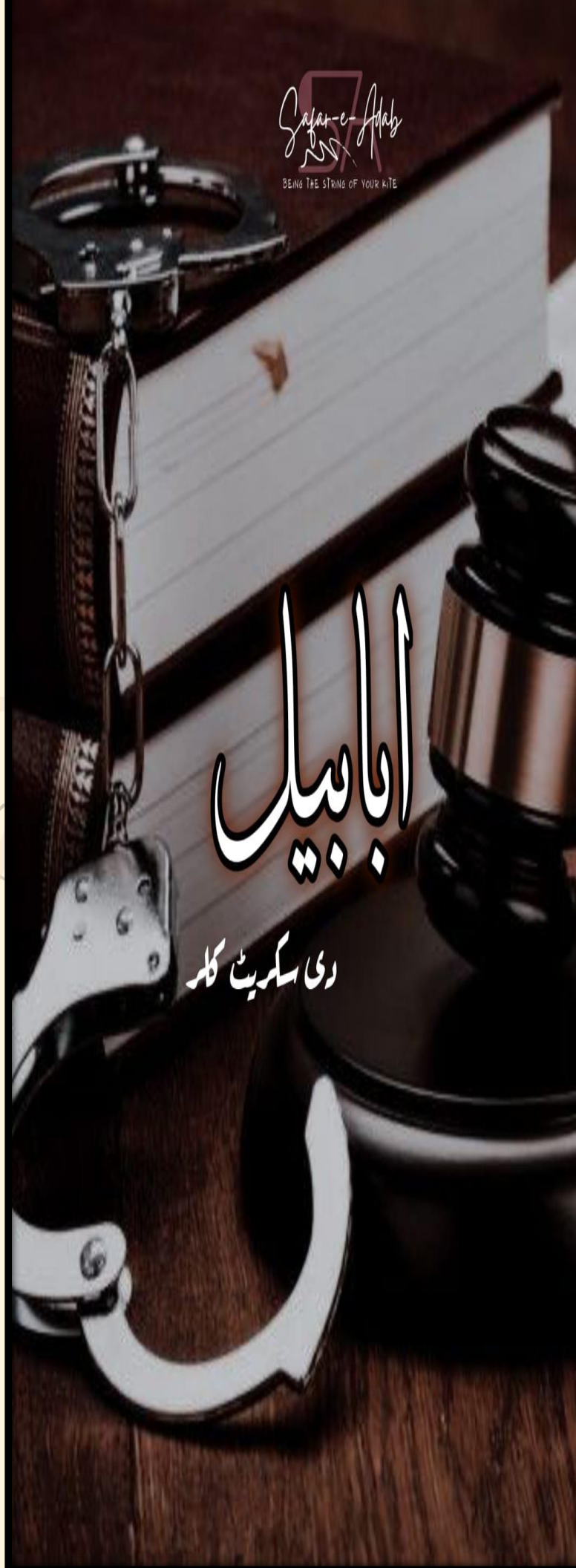
## ناول میں اور مایہ کی دس جھلک

”میں تمہارے گھران کی وجہ سے تو نہیں آتی  
تھی میں تو تمہارے لیے آتی تھی پھر یہ کب ہوا،  
کیسے ہوا مجھے پتا ہی نہیں چلا۔“ اتنا کہہ کر وہ  
خاموش ہو گئی تھی۔ میں بھی خاموش ہی رہی  
کیونکہ مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی میں کیا کہوں۔  
”شاید جب کوئی سچے دل سے آپ سے محبت کرتا  
ہے تو اس محبت کی تپش کسی نہ کسی طرح آپ  
تک بھی پہنچ ہی جاتی ہے۔ میں نے جانا کہ یہ  
آسمانی جذبہ ہے۔ کب کس کو عطا ہو جائے کچھ پتا  
نہیں چلتا۔ مجھے خود پہ ہنسی آرہی ہے۔ چند دن  
پہلے ہی کی بات ہے میں اور تم اسی بارے میں  
بات کر رہے تھے اور اب دیکھو۔۔۔ میں خود یہ  
روگ لے کر بیٹھ گئی ہوں۔“ اپنی بات کے  
اختتام پہ وہ خود پہ ہنسی تھی۔  
”محبت کا ہو جانابر اتو نہیں ہے ماریہ۔ اور یہ تو اور  
اچھی بات ہے کہ تمہیں اسی انسان سے محبت  
ہوئی جو پہلے ہی تمہاری محبت میں مبتلا ہے۔“ میں  
نے یہ بات مسکرا کر کہی تھی۔

Safar-e-Hayat  
BEING THE STRING OF YOUR KITE

# ابابیل

دی سکرپٹ کلر



”مجھے کسی اور سے محبت ہو بھی کیسے سکتی تھی  
عنبر۔ اپنے باپ اور بھائیوں کے علاوہ میں نے  
اپنے ارد گرد اگر کسی مرد کو دیکھا ہے تو وہ موسیٰ  
ہیں۔ مجھے کسی اور سے محبت کیسے ہو سکتی تھی  
پھر۔ ہم بچپن سے ساتھ ہیں۔ وہ شروع سے مجھے  
اچھے لگتے تھے کیونکہ وہ ایک اچھے انسان ہیں مگر  
یہ اچھا لگنا کسی دن محبت میں تبدیل ہو جائے گا  
مجھے اندازہ نہیں تھا۔“

Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

مکمل ناول فری میں پڑھنے کے لیے یہاں  
کلک کریں۔

[safareadab.com](http://safareadab.com)



سفر ادب کی جانب سے ناولوں کی پی ڈی ایف کاپی کو ہر غلطی سے ماورا بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کسی بھی طرح کی غلطی پائی جانے پر اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ ہماری ٹیم کے تیار شدہ پی ڈی ایف کے تمام جملہ حقوق سفر ادب کے نام محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ کسی ادارے یا شخص کی جانب سے ہمارے کام کو اپنے آفیشل استعمال میں لانے کی کوشش کو غیر قانونی سمجھ کر سفر ادب کی جانب سے کارروائی کی جاسکتی ہے۔

- ٹیم سفر ادب